منشی بال مکند بے صبر

سیّد تقی عابدی

ہندوستانی ادب کے معمار

منشی بال مکند بے صبرؔ

سیّد تقی عابدی

ساہتیہ اکادمی

فہرست

پیش لفظ		5
زندگی نامہ		7
ماہ وسال کا آئینہ		19
استاد غالبؔ اور بےصبرؔ	(خطوط، قصاید اور اشعار)	20
ہرگوپال تفتہؔ اور بےصبرؔ		38
شاگردانِ بےصبرؔ		40
رسالہ ''بدیع البدایع''	(انتخاب وتشریح)	51
مثنوی ''لختِ جگر''	(انتخاب وتشریح)	94
مثنوی ''اخگرِ عشق''	(انتخاب وتشریح)	106
''گلستانِ ہند''	(انتخاب واقتباس)	111
کلیات غیر مطبوعہ	(انتخاب تدوین وتشریح)	122
کتابیات		167

پیش لفظ

منشی بال مکند بےصبؔر پر مونو گراف لکھنا اس لیے بھی مشکل ہے کہ ان کی حیات، شخصیت اورفن پر مطبوعہ مواد بہت کم ہے جس میں کالی داس گپتا رضؔا کی ایک مختصر جامع کتاب، مالک رام کی کتاب ''تلامذہ غالبؔ'' کے دو صفحات، ''تذکرہ خم خانۂ جاوید'' کے چند اشعار اور مختار الدین کے ایک دو صفحات کے مضمون سوا کچھ مزید موجود نہیں۔

غالبؔ کے شاگرد تفتؔہ کے بھانجے ایک عمدہ شاعر اور تخلیقی نثار تھے جن کی تخلیقات اور تصنیفات اُردو شعر وادب کی ایوان سازی میں شامل ہیں، لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت کم اُردو اور ہندی پرستار اس ہندوستانی ادب کے معمار سے واقف ہیں جس نے اپنی ساری عمر شعروادب کے گلستان کو سنوارنے میں صرف کردی اور درجن بھر تخلیقات پیش کیں۔ جن میں سے بعض زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر نایاب ہوگیں اور بعض مخطوطات اور مسودوں کی شکل میں رہ کر کتب خانوں کی زینت بنی رہیں۔ چناں چہ میرے شخصی کتب خانے ٹورنٹو میں غیر مطبوعہ ''کلیاتِ بے صبؔر''، غیر مطبوعہ مخطوط ''گلستانِ ہند'' مخطوط اور مطبوعہ رسالہ 'بدیع البدایع'' کے علاوہ ان کی تحریروں کے کچھ پراگندہ اوراق بھی موجود ہیں۔ ان مخطوطات کے مطالعے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ منفرد اور خوب صورت تخلیقات دراصل اُردو شعر وادب کا حسنِ یوسف ہیں جو کنویں میں بند ہیں، جنھیں کنویں سے نکال کر اُردو کے بازاروں میں پیش ہونا چاہیے۔ اسی لیے یہ مونو گراف بےصبؔر کے غیر مطبوعہ اور مطبوعہ کلام کے پرتوی سے درخشاں ہے۔

ہم نے یہاں سوانح، شخصیت کے علاوہ ان کے رسالوں، مثنویوں، کلیّات اور کتابوں سے ان کے کلام کے نمونے مختصر تشریح کے ساتھ پیش کیے ہیں تاکہ اسکالرس اور اساتذہ اس پر تنقید اور تجزیہ کامل طور پر کرسکیں۔ چوں کہ راقم بےصبؔر کے کلیات اور ان کی کتب ''گلستانِ ہند'' کو مکمل طور پر شائع کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ اِس لیے یہ مونو گراف بال مکند بےصبؔر شناسی کا سنگِ میل

تصوّر کیا جائے گا۔ اس سے عامی اور عالم دونوں اُردو شعر و ادب کے معمار کی شاعری اور انفرادی نثری تحریروں سے روشناس ہوں گے۔ شاید ان کو یہ احساسِ تاسف بھی ہوگا کہ اُردو پرستاروں کو گزشتہ ڈیڑھ صدی میں کیوں مکمل طور پر اس گلستان کی سیر کے مواقع فراہم نہیں کیے گئے۔ اس مونوگراف کے ساغر میں بےصبر کے شریں کنویں کا سارا پانی تو سما نہ سکا مگر اتنا تو بھر دیا گیا کہ بڑی حد تک قاری کو سیراب کر سکے۔

آخیر میں ساہتیہ اکادمی کے جملہ اراکین بخصوص پروفیسر گوپی چند نارنگ کا شکر گزار ہوں کہ یہ عمدہ کام میرے سپرد کیا گیا۔

ٹورنٹو **سیّد تقی عابدی**

زندگی نامہ

نام : بال مکند
تخلص : بےصبؔر
والد : رائے کانہہ سنگھ
عرف : لالہ کانجی مل
سکونت : سکندر آباد، علاقہ ضلع بلند شہر (یوپی)
پیدائش : ۱۸۶۹ء بکرمی مطابق ۱۴/ مارچ ۱۸۱۲ء
بےصبؔر خود ''کلیات بےصبؔر'' (قلمی) غیر مطبوعہ میں لکھتے ہیں۔

مرا سالِ ولادت ہندوی میں
جو کوئی صورت و معنی میں پاوے
تو کردے قافیہ کو دورتا ہاتھ
ہزار و ہشت صد شست وئہ آوے

۱۸۶۹ بکرمی

قوم : کایتھ
خود مثنوی ''لختِ جگر'' لکھتے ہیں۔

ہے بالؔ مکند نامِ رنجور
بے صبؔر تخلص اپنا مشہور
کایتھ ہوں قوم کا میں ناشاد
ہے میرا وطن سکندر آباد

شغل : ستر۱۷ہ برس سے سینتیس۳۷ برس کی عمر داروغگی اور منشی گری میں مشغول رہے۔

تعلیم وتربیت: سولہ برس کی عمر میں فارسی عربی میں مہارت کامل حاصل کی اورعلوم ریاضی، نجوم ہیئت منطق اورویدانیت صوفیہ علوم میں بھی اطلاعات ضروری حاصل کی۔

خود بےصبرؔ لکھتے ہیں کہ درسی اوررسمی علوم حاصل کر لینے کے بعد مجھ کوانشا پردازی اور سخن طرازی کا شوق ہوا۔

شاعری : طبیعت موزوں پائی تھی، ماموں ہرگوپال تفتہؔ جیسا عمدہ فارسی کا شاعر تھا، چناں چہ بقول تذکرہ آثارالشعرا پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کی اورتقریباً پچیس سال کی عمر میں ''مثنوی لختِ جگر'' تکمیل کی۔

اساتذہ : پہلے ہرگوپال تفتہؔ کی شاگردی کی اور پھر تفتہؔ ہی توسط سے مرزا غالبؔ کے شاگرد رہے۔

تفتہؔ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

خدا نے میرے نیا گاں کے خانداں میں اُسے
کیا ہے میرا بزرگ اور خدایگاں میرا

◆◆◆

فیض تفتہؔ سے بلند آوازہ ہوں بےصبرؔ میں
ہوگے صحبت سے بم کی بول بالے زیر کے

آگے چل کر جب ماموں اور بھانجے مرزا غالبؔ کے شاگرد ہوگئے تو رشتہ خواجہ تاشی کا قائم ہوااسی لیےاپنےقلمی دیوان میں لکھتے ہیں۔

میں اور وہ دونوں ہیں شاگردِحضرت غالبؔ
یہ خواجہ تاشی کی نسبت ہے درمیاں پیدا

مثنوی ''لختِ جگر'' میں بےصبرؔ کہتے ہیں۔

تفتہؔ کے سبب بہ خواہش دل
رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل

◆◆◆

غالبؔ کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے
میں ہوں کہیں اور وہ مہیں ہے

◆◆◆

میں بھی ہوں فنِ شعر کے گرد
شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد

غالبؔ پر جو قصیدہ لکھا اس کے ''دو شعر'' دیکھئے۔

جس کا غالبؔ ہے تخلص، اسد اللہ ہے نام
یہ تو ہے کفر جو کہیے کہ یزداں میرا
پر ہے ہادی مرا، رہبر مرا، استاد میرا
قبلہ ہے، کعبہ ہے، دیں میرا ہے، ایماں میرا

اولاد : بال مکند بےصبرؔ کے چار بیٹے تھے جن میں دو بیٹوں کا انتقال بےصبرؔ کی زندگی میں ہی میں ہوگیا۔ بےصبرؔ نے تین بیٹوں کی پیدائش اور دو کی موت پر قطعہ تاریخ کے علاوہ تہنیتی اشعار، شخصی مرثیہ اور نوحہ بھی لکھا جو ان کے غیر مطبوعہ دیوان میں موجود ہے۔

بےصبرؔ لکھتے ہیں:-

''میرا بیٹا کشن سروپ ۱۲۶۰ ہجری کی پیدا ہوا، تیسرا بیٹا برہما سروپ ۱۹۰۴ بکرمی (بڑے بیٹے ہرسروپ کا سالِ ولادت یاد نہیں۔ سالِ وفاتِ حسرت آیات آگے آئے گا) اور چوتھا بیٹا بنی سروپ ۱۲۷۰ ہجری میں۔

میلادِ کشن سُروپ کے وقت
تھا میں مَے خوری سے سرمست
تھے ظاہری معنوی میں ہجری
سن ایک ہزار و دو صد وشصت

۱۲۶۰ ہجری

◆◆◆

خدا کے فضل سے برہما سُروپ میرا پسر
ہَوا بساعتِ فرخندہ جس زماں پیدا
یہ آئی غیب سے آواز سالِ ہندی میں
پسر یہ واہ ہَوا فخرِ خانداں پیدا

۱۹۰۴ بکرمی

فرزند چار میں چو بمن واد کردگار
ہر دم زدیدیش دلِ من شاد مے شود
بے صبر چوں بظاہری و معنوی شمرد
سالِ ہزار و دو صد و ہفتاد مے شود

۱۲۷۰ہجری

◆◆◆

اپنے پوتے رام چند سروپ کی پیدائش پر بھی قطعہ لکھتے ہیں۔

نبیرہ میرے جب بے صبرؔ! پیدا
ہوا وقتِ سعید و ساعتِ نیک
عدد کا جو قدم ہے درمیاں ہیں
ہزار و دو صد و ہشتاد اور ایک

۱۲۷۷ہجری

یعنی ۴ + ۱۲۷۷ = ۱۲۸۱ ھ

بیٹوں کے انتقال پر درد بھرے قطعات وفات قلمی دیوان میں موجود ہیں۔

مر گیا جب نوجواں لڑکا ہمارا ہرسروپ
ہر طرف تھا اس کے غم میں شور وغوغا ہائے ہائے
سالِ تاریخ وفات اس کا دلِ بے صبرؔ نے
سن ہجری میں کہا ''ہے ہے دریغا وائے وائے''

۱۲۷۹ہجری

ایضاً

رخصت ہوا جہان سے جب ہائے ہرسروپؔ
ماتم میں اس کے سب کو ہوا رنج اور تعب
بے صبرؔ مجھ، کو فکر تھی سالِ وفات کی
عیسیٰ نے دی ندا کہ ہوا ہائے کیا غضب

۱۸۶۲ء

مرگیا بیٹا مرا بینی سروپ　　کیا تھا اور ہائے مرے رب! کیا ہوا
مہر غروب اپنا ہوا صبحِ دم　　روز مرا ہوگیا شب، کیا ہوا
سالِ وفات اس کا جو بے صبر تو　　پوچھے ہے سمبت میں کہ کب، کیا ہوا
عالمِ فانی سے ہو بیدل وہ ماہ　　چھپ گیا ہے ہے یہ غضب، کیا ہوا

۱۹۳۱ - ۱ = ۱۹۳۰ بکرمی

ازسر افسوس سنِ عیسوی　　ہے یہی، یہ شور و شغب کیا ہوا

۱ + ۱۸۷۲ = ۱۸۷۳ء

سالِ وفات اس کا ہجری میں یہ　　دے گیا غم حیف سبب کیا ہوا

۱۲۹۰ہجری

عمر　:　بَہَتَّر (۷۲) سال عیسوی حساب سے اور پچھتّر (۷۵) سال ہجری کے حساب سے ہوتی ہے۔

انتقال　:　۱۳رفروری ۱۸۸۵ء بروز شیوراتری دارفانی سے کوچ کیا۔ بے صبر کے دوسرے بیٹے کرشن چندسروپ منیر نے باپ کا قطعہ وفات لکھا جو رسالہ ''بدیع البدایع'' میں ہے ؎

بے صبر چوں ز عالمِ فانی بہ خلد رفت　　عالم بچشمِ اہلِ بصیرت سیاہ شد
بازم مپرس حالِ دل بے قرار من　　دور از سرم چو سایۂ آں قبلہ گاہ شد
اے سایۂ سعادتِ ازلی کجا شدی　　باز آ کہ حالِ نیستانت تباہ شد
سال ۶۰ وفات توز کہ پر کہ بعد تو　　ایں سلسلہ گستہ چومتروک راہ شد
چوں فکر سال تاختم اندر جگر خلید　　ازیمن و برکتت سوے غیبم نگاہ شد ۱۹۴۱ب
ہاتف بگفت ترک ۱۰ دو کردہ بسال ہند　　بستہ درِ سخن چو فنا فی اللہ شد

۱۹۴۱ بکرمی

اعدادِ حرفِ اوّلیں ابیات کن شمار　　سنِ شریف واں کہ چہ شام و پگاہ شد

اس شعر کے دوسرے مصرعے کو ''بستہ درِ سخن چو فنا فی الہ شد'' پڑھنا چاہیے۔ یہاں اللہ= الہ= ۳۶ شمار کر کے مصرعے کے عدد ۱۹۵۱ بکرمی برآمد ہوں گے۔ اس میں سے دو= ۱۰ نکال کر ۱۹۴۱ بکرمی مستخرج ہوگا۔ ۱۹۴۱ب = ۱۸۸۵ء

بے صبر کے چھوٹے بیٹے برہما سروپ نے بھی جو اشعار نظم کیے اور رسالہ ''بدیع البدایع''

میں چھپوائے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

روز ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش　　　زاہدے را خرقہ گرد دیا سُتورے رارسن
ماہ ہا باید کہ تا گردوں گرداں یک شمی　　　عاشقے را وصل بخشد یا غریبے را وطن
سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب　　　لعل گردو در بدخشان یا عقیق اندر یمن
قرنہا باید کہ تا یک کودکی ازراہِ فہم　　　عارفے کامل بودیا شاعرِ شیریں سخن

تصانیف اور تالیفات

بال مکند کے چھوٹے بیٹے سری برہما سروپ نے رسالہ ''بدیع البدایع'' میں اپنے باپ کی تخلیقات کی تفصیل دی ہے جس میں دس کتابوں کا ذکر ہے جو پہلا مستند حوالہ ہے۔

۱۔	دیوانِ اوّل اردو	موسوم بہ دیوانِ عام اس میں غزلیات، رباعیات، قطعات وغیرہ درج ہیں	عنقریب طبع ہوگا
۲۔	دیوانِ دوم اردو	موسوم بہ دیوانِ خاص اس میں صرف غزلیات ہیں	چھپنے کو باقی ہے
۳۔	دیوانِ فارسی	اس میں کل کلام فارسی غزلیات وقطعات وتضمین و دیوانِ رباعیات ہے	چھپنے کو باقی ہے
۴۔	دیوانِ قصائد اردو	اس میں ۵۴ قصیدے اور ترکیب بند وترجیع بند درج ہیں	چھپنے کو باقی ہے
۵۔	مثنوی لختِ جگر	ایک پرفصاحت مثنوی دید ہے، نہ شنید ہے	چھپ گئی
۶۔	مثنوی اخگرِ عشق	درحقیقت یہ مثنوی اسم بامسمےٰ اخگر ہے	چھپ گئی
۷۔	سراپا سخن	تصنیف بطرز جدید: یادگارِ فرزندان میں نوحہ وسراپا قابل دار ہے	چھپ گئی
۸۔	رسالہ بدیع البدایع	اس میں بیان علم صنایع وبدایع ہے	چھپ گئی
۹۔	رسالہ ادیب البنّات	یہ نثر ہے اور تہذیب اخلاق اور تعلیم نسواں کے لیے قابل رواجِ مدارس ہے	زیرِ طبع ہے
۱۰۔	گلستانِ ہند نثر	اردو میں تتبعِ گلستاں سعدیؔ اس میں ۵ باب ہیں	زیرِ طبع ہے

المعبد

نیاز مند سری برہما سروپ پسر خورد مصنف

کالی داس گپتا رضاؔ نے بتایا کہ اس دس تصانیف سے صرف چار شائع ہوئیں اور ان کے کتب خانے میں دو مطبوعہ رسالہ ''بدیع البدایع'' اور مثنوی ''لختِ جگر'' موجود ہیں۔ دیگر مطبوعہ کتابیں ''سراپا سخن'' اور مثنوی ''اخگرِ عشق'' کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ راقم کے ذاتی کتب خانہ ٹورنٹو میں مطبوعہ ''بدیع البدایع'' کے علاوہ ایک ضخیم کلیات کا مسودہ اور ''گلستانِ ہند'' کا مکمل مخطوط بھی موجود ہے۔ اس ضخیم کلیات میں ان کے غیر مطبوعہ کلام جس کا ذکر ان کے بیٹے نے کیا ہے اس کی بڑی حد تک نشان دہی کی جا سکتی ہے۔

کالی داس گپتا رضاؔ کی کتاب ''غالبؔ کا ایک مشاق شاگرد'' میں جو غیر مطبوعہ کلیات کی فہرست دی گئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ میرے کتب خانہ میں موجود غیر مطبوعہ ان کے زیر مطالعہ رہا ہو۔ ''گلستانِ ہند'' کا عمدہ مخطوط جو راقم کی لابریری میں ہے وہ بھی طباعت کے مرحلہ میں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخطوط گپتا صاحب کی دسترس میں نہ تھا۔ آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل ہری کرشن رازؔ نے جو مضمون ''نیا دور'' لکھنؤ میں منشی بال مکند بےصبرؔ پر لکھا تھا۔ اُس سے ان کے واقعات زندگی کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بال مکند کے وارثوں کے پاس ان کا غیر مطبوعہ کلام اُس وقت بھی موجود تھا۔ ہم یہاں ہری کرشن رازؔ کے مضمون کے وہ اقتباسات نقل کرتے ہیں جن میں تفصیل سے بال مکند کی تصانیف پر مستند بات کی گئی ہے۔

حضرت بےصبرؔ کی تصانیف حسبِ ذیل ہیں

۱۔ ''دیوانِ عام اردو'' (غیر مطبوعہ) جس میں غزلیں، رباعیاں وقطعات، ترجیع بند وغیرہ ہیں۔

۲۔ ''دیوانِ خاص اردو'' (غیر مطبوعہ) صرف غزلیات کا مجموعہ ہے۔

۳۔ ''دیوانِ فارسی'' (غیر مطبوعہ) منشی دیبی پرشاد بشاشؔ نے اپنی تصنیف ''تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود'' میں اس کا ذکر کیا ہے۔

۴۔ ''دیوانِ قصائد اردو'' (غیر مطبوعہ) اس میں چوّن (۵۴) قصیدے ہیں۔ ترکیب بند، ترجیع بند ہیں۔ اس کے اکثر ضایع ہو گئے ہیں۔ قصائد نمبر ۳۰، ۳۱، ۴۶، ۵۳ وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کیے گئے تھے دیگر قصائد میں قصیدہ نمبر ۴ سدرہ توحید میں، نمبر ۶ نوبہار ہندوستان کی تعریف میں، نمبر ۹ قدامت روح کے بارے میں، نمبر ۱۱ معطل (جو بے نقطہ ہے)، نمبر ۱۶، پرکالۂ آتش حضرت غالبؔ کی مدح میں، نمبر ۸ جناب تفتہؔ کی تعریف میں، نمبر ۹ آرامِ جاں مہاراجہ بنارس کی تعریف میں، نمبر ۲۱ دلپذیر مہاراجہ کشمیر کی

مدح میں، نمبر۲۴ حالات ہجوم ہردوار، نمبر۲۷ بہار کی تعریف میں، نمبر۲۰ نورُ علیٰ نوٗر، ملکہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی مدح میں، نمبر۳۱ تیغ برہنہ مبارکباد پر فتح، افغانستان، نمبر۴۶ مبارکباد بحضور لارڈ رپن وائسرائے ہند بہ موقع دربار منعقدہ ۱۵/نومبر ۱۸۸۰ء اور نمبر۵۳ دربارۂ تہنیت برفتحِ مصر و مدح ملکۂ وکٹوریہ ہے۔ قصائد مذکورہ بالا سے جناب بےصبؔر کی قادرالکلامی اور علمی تبحّر کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ تین مسدس حضرت علیؑ کی شان میں بھی ہیں۔

۵۔ مثنوی ''لختِ جگر'' اردو (مطبوعہ) ۱۸۷۱ء اب نایاب ہے۔

۶۔ مثنوی ''اخگرِ عشق'' اردو (مطبوعہ) اب یہ نایاب ہے۔

۷۔ ''سراپا سخن'' اردو (مطبوعہ فروری ۱۸۷۹ء) اس میں مصنف نے اپنے دوفرزندوں منشی ہرسروپ اور منشی بنی سروپ کا سراپا اور نوحہ لکھا ہے۔

۸۔ رسالہ ''ادیب البنات'' اردو نثر (غیر مطبوعہ) اس کے دیباچے میں بےصبؔر تحریر فرماتے ہیں:-

> ''میں ساری عمر اپنی شعروشاعری میں گزاری اور خاک اس گلی کی خوب چھانی۔ تین دیوان اور تین مثنویاں اردو فارسی میں کہیں کہ وہ مجھ سے یادگار ہیں۔ لیکن کوئی ایسی کتاب جو واسطے تعلیم طلباء مدارس دیسی اور سرکاری کے مفید ہو۔ یہ سبب کم فرصتی کام عہدہ نائب منشی یعنی نائب سرشتہ داری ثانی محکمہ کلکٹری ضلع بلندشہر و سہارن پور تصنیف نہ کرسکا...... نام اس کا ''ادیب البنات'' رکھا ہے یہ اردو کے سیدھے سادھے اور سلیس اور صاف محاورے میں بنائی۔ سال ۱۸۷۰ء میں مراد برآئی۔ (یہ کتاب بتاریخ ۲۰/اگست ۱۸۷۰ء بحضور جناب سکریٹری صاحب گورنمنٹ بغرض منظوری روانہ ہوئی۔)

۹۔ ''گلستانِ ہند'' نثر اردو (غیر مطبوعہ) گلستانِ شیخ سعدؔی شیرازی کے ڈھنگ پر لکھی گئی ہے۔ عبارت سلیس اور بامحاورہ ہے یہ پانچ بابوں میں منقسم ہے اور ان ابواب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

پہلا باب : بادشاہوں اور امیروں کے ذکر میں ________________ ۲۴ بیان

دوسرا باب : فقیروں کے بیان میں ________________ ۱۷ بیان

تیسرا باب : حکیموں اور طبیبوں کے حال میں ________________ ۱۶ بیان

چوتھا باب : شاعروں کے حال میں ____________________ ۱۸ بیان

پانچواں باب : نکات، لطائف پند اور نصائح وغیرہ میں ____________ ۴۵ بیان

بطور نمونہ چوتھے باب کی حکایت نمبر ۹ ذیل میں درج ہے:-

''کہتے ہیں کہ عبدالرحیم خان خاناں کی مجلس میں کسی شاعر نے شعر پڑھا۔ نواب صاحب کو پسند آیا، فرمایا بیچو تو مول لیتے ہیں اور شصت (۶۰) دینار قیمت دیتے ہیں۔ شاعر نے کہا کہ شصت کم است۔ کم کے عدد بھی ساٹھ ہوتے ہیں، گویا دو شصت ہو گئے۔ نواب اس لطیفۂ حسن الطلب سے خوش ہوا اور ایک سو بیس دینار دے کر خرید لیا اور خلعت اضافہ کیا۔ شعر

جو قدرداں ہیں وہ کرتے ہیں قدر شاعر و شعر
ستم ہے گر کوئی دُنیا میں قدر داں نہ رہے

اس کتاب سن تصنیف ۱۸۷۱ء ہے۔

۱۰۔ رسالہ ''بدیع البدایع'' اردو (مطبوعہ) یہ کتاب فن شاعری پر ہے...... علم عروض و صنایع بدایع کے شائقین کے لیے نہایت مفید چیز ہے۔ یہ کتاب ۱۸۷۰ء میں مطبع دبیر ہند بلند شہر میں طبع ہوئی۔ اب اس کی صرف ایک جلد بےؔصبر کے وارث بالو گردھر سُروپ صاحب کے پاس ہے اور بازار میں نہیں ملتی۔

ایسا کم ہوتا ہے کہ ایک شخص اچھا شاعر اور اچھا نثر نگار دونوں ہو۔ جناب بےؔصبر اپنے زمانے کے معیار کے مطابق اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی تھے اور نثار بھی۔ ان کی تصنیف رسالہ ''ادیب البنات''، جو اخلاقی تعلیم سے پر ہے ان کی اعلیٰ درجے کی نثر نویسی اور دل کش انداز تحریر کی شاید ہے اس رسالے میں اوّل آپ ایک اخلاقی اصول کو لوحِ دل پر نقش فرماتے ہیں۔ ذیل میں رسالہ ''ادیب البنات'' سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:-

رحم کی تعریف

''اصل کائنات کی خدا ہے اور خدا رسیدہ ہونا اپنی اصل کو پہنچنا ہے۔ خدا کی صفات میں سے ایک صفت رحم ہے۔ اس کو وہی جانتا ہے جس کو فہم ہے۔ خدا کا

رحم عام ہے۔ راحم، رحیم، رحمٰن اسی کے نام ہیں۔ آدمی کا کمال یہی ہے کہ خدا اس کو ملے جب تک صفات الٰہی سے تھوڑی بہت صفتیں بہم نہ پہنچا دے خدا کو نہ پاوے۔ پس لازم آیا کہ صفات حیوانی کو چھوڑ کر پہلے صفت انسانی کی طرف مائل ہو تا کہ صفی ربّانی حاصل ہو۔ اس مقام سے رحم کے مرتبے کا خیال کرو اور رحم کرو تا کہ کمال حاصل ہو۔ بے رحمی کی سزا خدا دیتا ہے۔ کمزور کا بدلہ زور آور سے لیتا ہے۔ اس کا نمونہ بنیے اور نائی کے لڑکوں کی کہانی ہے۔

بنیے اور نائی کے لڑکوں کی کہانی

ایک بنیے اور نائی کے دو لڑکے پانچ پانچ چھ چھ برس کے جو سر راہ کھیلتے تھے، لڑ پڑے، بچّے ہی تو تھے نہ جانے کس بات پر جھگڑ پڑے۔ لڑائی میں اوپر تلے ہوئے لگے۔ دونو رونے لگے۔ بنیا آیا اپنے بچّے کو گلے لگایا۔ پچکارا، پیار کیا، گھر کو بھیج دیا۔ پھر نائی کے لڑکے کو مارا اور یہ بھی کہا کہ کیوں بے کمینے کے۔ تو ہمارے ہی گھر سے کھاوے اور ہمارے ہی بچّے پر ہاتھ اٹھاوے۔ اتنے میں نائی بھی آیا اور اس نے شور مچایا۔ بنیے نے سوچا اب ایسا نہ ہو زیادہ فساد ہو۔ داد بیداد ہو۔ دوڑ کر گھر کو چلا۔ نائی اس کے پیچھے لگا۔ بنیے نے جانا کہ میں بے ڈھب گرا۔ گھبراہٹ میں چوکھٹ پر ایسا گرا کہ کواڑ کی کیل اس کے گال میں گڑ گئی اور ایک ڈاڑھ صاف اکھڑ گئی۔ زخم کاری اور خون جاری ہو گیا۔ نائی نے کہا کہ ''تم میرے بچّے پر رحم نہ آیا۔ پر میں اپنا انصاف خدا سے بھر پایا۔۔۔''

یہاں ہم بے صبؔر کی چند تصانیف کی تاریخیں لکھتے ہیں۔

۱۔ بے صبؔر کے دیوان پر غالبؔ کی اصلاح ؎

جب حضرتِ غالبؔ نے دی اصلاح اس دیوان کو
بے صبؔر کامل ہو گیا اور معتبر میرا سخن
بعد از سر اصلاح ہیں اب ظاہری و معنوی
سالِ ہزار و دو صد و ہفتاد و چار اے جانِ من

(۱۲۷۵-۱)=۱۲۷۴ہجری

۲۔ رسالہ ''بدیع البدایع'' کے تکمیل کی تاریخ۔

پئے تاریخ ختم این رسالہ   بسال عیسوی دل در شمار است
بگویم از سر بہجت کے بے صبرؔ   بنام ایزد عجب باغ و بہار است
(۱۸۶۸ء)

۳۔ مثنوی ''اجگرِعشق'' کی تاریخ۔

جس کا سن لالۂ پُرواغ ملا
۱۲۷۳ہجری
پر وہ لالہ بسرِ باغ ملا
۲
۱۲۷۳+۲=۱۲۷۵ہجری

بے صبرؔ نے اپنی مثنوی ''لختِ جگر'' کی تین تاریخیں لکھی ہیں۔ایک تصنیف کی تکمیل پر دوسرے سال طباعت پر اور تیسری طباعت سے پہلے اس کی ترمیم اور اصلاح پر اُستاد غالبؔ کی بدولت۔

لختِ جگر اس نے نام پایا   نام و سنِ اختتام پایا
۱۲۵۲ھ
فکر سنِ عیسوی جو آیا   بالغ خرد اس کا سال پایا
۱۸۳۷ء

اب ہے جو یہ سال سالِ مسعود   بارہ سو پر چھہتّر افزود
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے   ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
آراستہ کردیا اب اس کو   پیراستہ کردیا اب اس کو
غالبؔ کی نگاہ سے گذر کر   بے عیب یہ ہوگئی سراسر
۱۲۵۳ہجری   ۱۲۷۵ہجری

تصنیف کا سال تھا ''جگرِ لخت''   ترمیم کا سن ''زہے میرا بخت''
چھپی جب کہ بے صبرؔ ''لختِ جگر''   مجھے فکر تھی اس کی تاریخ کی
یہ دی سالِ ہجری میں دل نے ندا   اہاہا یہ کیا خوب ہے مثنوی
۱۲۸۸ہجری

ایضاً

طبع شد چوں مثنوی لختِ جگر بے صبر گفت — ہر کسے بیند بصد جان و دلش شیدا شود
دو را ز اعداد مصرع لفظ یک راکن عدد — یک ہزار و ہشت صد و ہفتاد یک پیدا شود

۱۸۷۱ھ

بے صبر تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے تھے۔ ان کا قلمی دیوان جو راقم کے کتب خانہ میں ہے کئی تاریخوں سے سجا ہوا ہے۔ یہاں ہم کچھ تاریخیں نقل کرتے ہیں۔

قطعۂ تاریخ مولد پسر منشی جہانگیری لعل

پسرے خوش قدم و خوش طالع — چوں بوقتِ سحر آمد بو قوع
گفت بے صبر بسالِ عیسیٰ — شدہ خورشیدِ جہانگیر طلوع

۱۸۳۳ء

قطعۂ مولد پسر شادی لعل

ہوا جو طفل تولّد بساعتِ مسعود — بلند بخت، مبارک قدم خجستہ لقا
جب اس سے سالِ ولادت طلب کیا بے صبر — تو مجھ سے دل نے کہا ''نونہالِ باغِ لقا''

۱۲۴۸ھ

قطعۂ تاریخ وفات شو لعل طبیب سکندر آبادی

مسیح عصر و فلاطونِ عہدِ خود شو لعل — چواز قضاے الٰہی شدہ بہشت نصیب
بہ فکرِ سالِ وفاتش دلم تردّد داشت — نداز غیب برآمد ''طبیب بود غریب''

۱۲۴۷ھ

(۲) ایضاً رباعی

بے صبر چواز جہان شد آں یار قدیم — در شہر و دیار گشت اندوہ عظیم
دل از سرِ وسواس بتاریخش گفت — ہیہات جواں بمرو شو لعل حکیم

۴ + ۱۲۴۱ = ۱۲۴۷ھ

❑❑❑

ماہ وسال کا آئینہ

۱۸۱۲ء	-	۱۴/مارچ پیدایش بمقام سکندرآباد، بلند شہر
۱۸۳۱ء	-	آغاز شاعری
۱۸۳۷ء	-	مثنوی ''لختِ جگر''
۱۸۴۲ء	-	پیدایش ہرسروپ (فرزند اوّل)
۱۸۴۴ء	-	پیدایش کشن سروپ (فرزند دوم)
۱۸۴۸ء	-	پیدایش برہما سروپ (فرزند سوّم)
۱۸۵۴ء	-	پیدایش بنی سروپ (فرزند چہارم)
۱۸۵۸ء	-	دیوان پر غالبؔ کی اصلاح
۱۸۵۹ء	-	مثنوی ''لختِ جگر'' پر غالبؔ کی اصلاح
۱۸۵۹ء	-	تصنیف مثنوی ''اخگرِ عشق''
۱۸۶۲ء	-	انتقال ہرسروپ (فرزند اوّل)
۱۸۶۹ء	-	وفات غالبؔ
۱۸۷۰ء	-	تصنیف رسالہ ''بدیع البدایع''
۱۸۷۳ء	-	انتقال بنی سروپ (فرزند چہارم)
۱۸۸۰ء	-	وفات ہرگوپال تفتہؔ
۱۸۸۵ء	-	وفات بال مکند بے صبرؔ
۱۸۸۵ء	-	اشاعت رسالہ ''بدیع البدایع''

❑❑❑

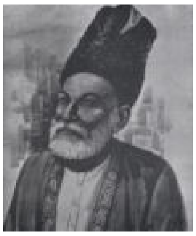

استاد غالبؔ اور بےصبرؔ

(خطوط، قعاید اور اشعار)

یہ سچ ہے کہ غالبؔ اور بےصبرؔ کے مراسم کم از کم پچیس تیس سال پر محیط تھے، لیکن خطوط غالبؔ میں ہمیں غالبؔ کا کوئی خط بےصبرؔ کے نام نہیں ملتا، جب کہ ان کا ذکر اور ان کے کلام کی اصلاح اور ان کے خطوط اور پارسل وغیرہ کا تذکرہ ہرگوپال تفتہؔ کے نام خطوط میں نظر آتا ہے۔ اس بات کا یقین کی حد تک گمان ہے غالبؔ نے خطوط تو لکھے ہوں گے لیکن ضائع ہو گئے بہر حال ہر گوپال تفتہؔ کے پانچ خطوط میں بےصبرؔ کا ذکر ملتا ہے جو نومبر ۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۲ء کے درمیان لکھے گئے تھے۔ ہم ان پانچوں خطوط کو یہاں پیش کر رہے ہیں۔

(۱)

اللہ اللہ! ہم تو کول سے تمہارے خط کے آنے کے منتظر تھے۔ ناگاہ کل جو خط آیا معلوم ہوا کہ دو دن ''کول'' میں رہ کر سکندر آباد گئے ہو اور وہاں سے تم نے خط لکھا ہے دیکھیے، اب یہاں کب تک رہو اور آگرے کب جاؤ۔ پرسوں برخوردار شیونراین کا خط آیا تھا۔ لکھتے تھے کہ کتابوں کی شیرازہ بندی ہو رہی ہے، اب قریب ہے کہ بھیجی جائیں۔ مرزا ''مہر'' بھی ایک ہفتہ بتاتے ہیں۔ دیکھیے کس دن کتابیں آجائیں۔ خدا کرے سب کام دلخواہ بنا ہو۔

ہاں صاحب منشی بال مکند بےصبرؔ کے ایک خط کا جواب ہم پر قرض ہے، میں کیا کروں؟ اُس خط میں اُنھوں نے اپنا سیر و سفر میں مصروف ہونا لکھا تھا۔ پس میں اُن کے خط کا جواب کہاں بھیجتا؟ اگر تم سے ملیں، تو میرا اسلام کہہ دینا اور طبع آگرہ سے کتابوں کا حال تو تم خود دریافت کر ہی لو گے، میرے کہنے اور لکھنے کی کیا حاجت۔

چار شنبہ، سیوم نومبر ۱۸۵۸ء

(۲)

مرزا تفتہ

تمہارا خط آیا۔ فقیر کو حقیر کا حال معلوم ہوا۔ خدا فضل کرے۔ اگر تم اس راز کے اظہار کو منع نہ کرتے، تو بھی میرا شیوہ ایسا لغو نہیں ہے کہ میں اُن کو لکھتا۔ لکھتے ہو کہ مرزا مہر کے دو چار روپے زاید صرف ہو گئے تو کیا اندیشہ ہے۔ حال یہ ہے کہ میں نے اُن سے استفسار کیا تھا، اُنھوں نے مجھ کو لکھا کہ کتابوں کی درستی میں وہی بارے روپے صرف ہوئے ہیں۔ محصول کی ایک رقم خفیف اگر میں نے اپنے پاس سے دی، تو اس کا کیا مضایقہ مجھ کو تمہارا قول مطابق واقع نظر آتا ہے۔ البتہ اُن کے دو تین روپے اُٹھ گئے ہوں گے۔

لالہ گنگا پرشاد شاد تخلص اپنے کو تمہارا شاگرد بتاتے ہیں، مگر ریختہ کہتے ہیں۔ کئی دن ہوئے کہ یہاں آئے اور بال مکند بے صبر کی غزلیں اصلاح کو لائے۔ وہ دیکھ کر اُن کو حوالہ کر دیں۔

ہنری اسٹوارٹ ریڈ صاحب ممالک مغربی کے مدرسوں کے ناظم اور گورنمنٹ کے بڑے مصاحب ہیں۔ امن کے دنوں میں ایک ملاقات میری اُن کی ہوئی تھی۔ کل اُن کا خط مجھ کو اُس کتاب کی رسید میں آیا بہت تعریف لکھتے تھے۔ اور ہاں بھئی، ایک تماشا اور ہے وہ مجھ کو لکھتے تھے کہ یہ ''دستنبو'' پہلے اس سے کہ تم بھیجو، مطبع مفید خلائق نے ہمارے پاس بھیجی ہے، اور ہم اس کو دیکھ رہے اور خوش ہو رہے تھے کہ تمہارا خط مع کتاب کے پہنچا۔ اُن کے اِس لکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ مطبع میں سے گورنر کی نذر بھی ضرور گئی ہوگی۔ کیا اچھی بات ہے کہ وہاں بھی میرے بھیجنے سے پہلے میرا کلام پہنچ جائے گا۔ میں چیف کمشنر پنجاب کو یہ کتاب بھیج چکا ہوں اور نواب گورنر کی نذر اور ملکہ کی نذر اور سکرٹروں کی نذر یہ پارسل ان شاء اللہ تعالیٰ آج روانہ ہو جائیں گی۔ دیکھوں چیف کمشنر کیا لکھتے ہیں اور گورنر کیا فرماتے ہیں۔

تا نہال دوستی کے بر دہد　　حالیا رقتیم و تخمی کا شتیم

شنبہ، ۲۷ نومبر ۱۸۵۸ء

(۳)

میری جان!

آخرلڑکے ہو، بات کو نہ سمجھے۔ میں اور تفتہ کا اپنے پاس ہونا غنیمت نہ جانوں، میں نے یہ لکھا تھا کہ یہ شرطِ اقامت بلالوں گا، اور پھر لکھتا ہوں کہ اگر میری اقامت یہاں کی ٹھہری، تو بے تمہارے نہ رہوں گا، نہ رہوں گا زنہار نہ رہوں گا، منشی بال مکند بے صبر کا خط بلند شہر سے دلّی اور دلّی سے رامپور پہنچا۔ تلف نہیں ہوا۔ اگر میں یہاں رہ گیا تو یہاں سے، اور اگر دلّی چلا گیا تو وہاں سے اصلاح دے کر اُن کے اشعار بھیج دوں گا۔ بے صبر کو اب کی بار مہینا بھر صبر چاہیے۔ وہ لفافہ بدستور رکھا ہوا ہے۔ ازبسکہ یہاں کے حضرت مہربانی فرماتے ہیں اور ہر وقت آتے ہیں۔ فرصت مشاہدہ اوراق نہیں ملی۔ تم اسی رقعے کو اُن کے پاس بھیج دینا۔

سہ شنبہ، ۱۴ر فروری سنہ ۱۸۶۰ء

غالب

(۴)

برخوردار میرزا تفتہ

دوسرا مسودہ بھی کل پہنچا۔ تم سچے اور میں معذور۔ اب میری کہانی سُنو۔ آخر جون میں صدر پنجاب سے حکم آ گیا کہ پنشن دارانِ ماہ بہ ماہ نہ پائیں، سال میں دو بار بہ طریقہ ششماہہ فصل بہ فصل پایا کریں۔ ناچار ساہوکار سے سود کاٹ کر روپیہ لیا گیا، تا رامپور کی آمد میں مل کر صرف ہو۔ یہ سود چھ مہینہ تک اِسی طرح کٹواں دینا پڑے گا۔ ایک رقم معقول گھاٹے میں جائے گی ؎

رسم ہے مردہ کی چھ ماہی ایک
خلق کا ہے اسی چلن پر مدار
مجھ کو دیکھو کہ ہوں بقیدِ حیات
اور چھ کو دیکھو کہ ہوں میں دوبار

دس گیارہ برس سے اُس تنگنا میں رہتا تھا۔ سات برس ماہ بہ ماہ چار

روپئے دیا گیا۔ اب تین برس کا کرایہ کچھ اوپر سو روپیہ یکمشت دیا گیا۔ مالک نے مکان بیچ ڈالا۔ جس نے لیا ہے اُس نے مجھ سے پیام بلکہ ابرام کیا کہ مکان خالی کردو۔ مکان کہیں ملے تو میں اوٹھوں۔ بے درد نے مجھ کو عاجز کیا۔ اور مدد لگا دی۔ یہ صحن بالا خانے کا جس کا دو گز کا عرض اور دس گز کا طول، اُس میں پاڑ بندھ گئی۔ رات کو وہیں سوتا۔ گرمی کی شدّت پاڑ کا قرب۔ گمان یہ گزرتا تھا کہ یہ کٹگھر ہے۔ اور صبح کو مجھ کو پھانسی ملے گی۔ تین راتیں اِسی طرح گذریں۔ دوشنبہ، ۹ر جولائی کو دوپہر کے وقت ایک مکان ہاتھ آ گیا۔ وہاں جا رہا۔ جان بچ گئی۔ یہ مکان بہ نسبت اُس مکان کے بہشت ہے، اور یہ خوبی کہ محلّہ وہی ''بلی ماروں'' کا۔ اگرچہ ہے یوں کہ میں اگر اور محلّے میں بھی جا رہتا۔ تو قاصدانِ ڈاک وہیں پہنچتے۔ یعنی اب اکثر خطوط ''لال کنوے'' کے پتے سے آتے ہیں اور بے تکلف یہیں پہنچتے ہیں۔ بہرحال، تم وہی ''دلّی، بلی ماروں کا محلّہ'' لکھ کر خط بھیجا کرو۔ دو مسودے تمہارے اور ایک مسودہ بے صبر کا: یہ تین کاغذ درپیش ہیں۔ دو ایک دن میں بعدِ اصلاح ارسال کیے جاہیں گے۔ خاطرِ عاطر جمع رہے۔

صبح جمعہ، ۲۸ر جولائی سنہ ۱۸۶۰ء

(۵)

میرزا تفتہ

جو کچھ تم نے لکھا۔ یہ بے دردی ہے اور بدگمانی۔ معاذ اللہ تم سے اور آزردگی۔ مجھ کو اس پر ناز ہے کہ میں ہندوستان میں ایک دوستِ صادق الولا رکھتا ہوں۔ جس کا ''ہرگوپال'' نام اور ''تفتہ'' تخلص ہے۔ تم ایسی کون سی بات لکھو گے کہ موجب ملال ہو؟ رہا غمّاز کا کہنا، اُس کا حال یہ ہے کہ میرا حقیقی بھائی کُل ایک تھا، کہ وہ تیس برس دیوانہ رہ کر مر گیا۔ مثلاً وہ جیتا ہوتا اور ہوشیار ہوتا اور تمہاری برائی کہتا، تو میں اُس کو جھڑک دیتا اور اُس سے آزردہ ہوتا۔

بھائی، مجھ میں کچھ اب باقی نہیں ہے۔ برسات کی مصیبت گذر گئی۔ لیکن بڑھاپے کی شدّت بڑھ گئی۔ تمام دن پڑا رہتا ہوں بیٹھ نہیں سکتا۔ اکثر

لیٹے لیٹے لکھتا ہوں، معہذا یہ بھی ہے کہ اب مشق تمہاری پختہ ہوگی۔ خاطر میری جمع ہے کہ اصلاح کی حاجت نہ پاؤں گا۔ اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ قصائد سب عاشقانہ ہیں، بہ کارِ آمد نہیں خیر، کبھی دیکھ لوں گا، جلدی کیا ہے؟ تین بات جمع ہوئیں۔ میری کاہلی، تمہاری کلام کا محتاج باصلاح نہ ہونا، کسی قصیدے سے کسی طرح کے نفع کا تصور نہ ہونا۔ نظر ان مراتب پر، کاغذ پڑے رہے۔ لالہ بال مکند باصبر کا ایک پارسل ہے کہ اُس کو بہت دن ہوئے، آج تک سرنامہ بھی نہیں کھولا۔ نواب صاحب کی دس پندرہ غزلیں پڑی ہوئی ہیں۔

ضعف نے غالب نکمّا کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

یہ قصیدہ تمہارا کل آیا۔ آج اس وقت، کہ سورج بلند نہیں ہوا، اس کو دیکھا، لفافہ کیا آدمی کے ہاتھ ڈاک گھر بھجوایا۔

۲۷ر نومبر سنہ ۱۸۶۲ء

غالب

بال مکند بے صبر نے اپنے استاد غالب کی شان میں ایک اڑتالیس اشعار کا قصیدہ لکھّا ہے جو ان کی ۱۸۷۱ء مطبوعہ مثنوی ''لختِ جگر'' میں شامل ہے جس میں بے صبر اور تفتہ کے باہمی تعلقات کا پتہ بھی چلتا ہے کہ بے صبر تفتہ کی سفارش سے غالب کے شاگردوں میں شامل ہوئے۔

تفتہ کے سبب یہ خواہشِ دل ۔۔۔ رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل
غالب کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے ۔۔۔ میں ہوں کہیں اور وہ مہیں ہے
میں بھی ہوں فنِ شعر کے گرد ۔۔۔ شاگردوں کا اس کے ہوں شاگرد
آپ اس نے ہی ہوں میں جس کا مدّاح ۔۔۔ دیوان کو میرے دی ہے اصلاح
میں ذرّہ ہوں اور ہے وہ خورشید ۔۔۔ خورشید سے ذرّہ کو ہے تائید

ہم یہاں سارا قصیدہ پیش کرتے ہیں۔

قصیدہ

بے صبر! وہ صاحبِ بصیرت ۔۔۔ انسان صورت، فرشتہ سیرت
وہ پاک سرشت، پاک جوہر ۔۔۔ وہ پاک نژاد، پاک گوہر

روشن دل و سینہ مشرقستاں
جاں جملہ حق و تمام تن جاں

خورشید سپہر عز و تکریم
ماہِ فلک رضا و تسلیم

عقل اس کی تن عقوں کی جاں
نفس اس گا نفوس کانگہ باں

طے کردۂ وادیٔ طریقت
بے بردۂ منزلِ حقیقت

وانا سے اصول علمِ معقول
آگاہ رموزِ فنِ منقول

ہر علم میں باکمال ہے وہ
ہر فن میں بے مثال ہے وہ

اُستادِ جہاں فصاحت آموز
سبحانِ زماں، بلاغت اندوز

شاہنشہِ کشورِ معانی
فرماں وہ ملک نکتہ دانی

اُستاد بہر زباں، سخن گو
مختص بہ زبانِ فرس و اردو

نام اس کے سے کرتا ہوں میں آگاہ
اوّل ہے اسد اور آخر اللہ

مشہور تخلص اس کا غالبؔ
مطلوب دلِ ہزار طالب

مرزا نوشہ لقب ہے اُس کا
ثانی کوئی اور کب ہے اُس کا

ہے سعدیِؔ آخر الزّماں وہ
نے نے سعدیؔ کہاں، کہاں وہ

ہوتا وقت اب جو انوریؔ کا
بھرتا نہ وہ دم سخن وری کا

خاقانیؔ اگر موا نہ ہوتا
کیا اس کا گدا ہوا نہ ہوتا

جیتا اگر اب تلک نظیریؔ
جاتا بھول اپنی بے نظیری

کرتا نہ اگر جہاں سے دُوری
پاتا نہ ظہور اب ظہوریؔ

مرتا اگر اب تلک نہ صائبؔ
ہوتا وہ سخن وری سے تائب

عُرفیؔ جو گیا ہے نوجواں مر
غالبؔ سے گیا وہ غالبًا ڈر

گر شیخ علی حزیںؔ نہ مرتا
ترکِ سخن اختیار کرتا

کیا بھرتی نہ پیشِ ہند پانی
شمشیرِ کمالِ اصفہانی

دلّی سے گئی جو محبّت غالبؔ
بھاگی امل سے روحِ طالبؔ

جب پارسیوں کا حال یہ ہے
یہ قال ہےؔ اور مقام یہ ہےؔ

سوداؔ اور مصحفیؔ و جرأت
ناسخؔ اور دردؔ و میرؔ و حسرت

شاعر ہیں سب جو ریختہ گو   غالبؔ کی نہ اس سے ہمسری ہو
گر بر سر مو مرا، زباں ہو   وصف اس کا نہ حشر تک بیاں ہو
خوش خلق ہے، خوش مزاج، خوش خو   خوش رو ہے وہ خوش نصیب خوش گو
ہے مثلِ طمع، طمع سے خالی   ہمّت اسے دی خدا نے عالی
دل اس کے یہ بے نیازی کو ناز   مستغنی و سیرِ چشم و بے آز
لے کر کوئی احتیاج گر آئے   مایوس نہ اس کے در سے وہ جائے
عالم میں ہے فیض عام اُس کا   فیاضی ہے خاص کام اس کا
جو اس کے تلامذہ میں آیا   دخل اس پر نہ معترض نے پایا
میں بھی کہ ہوں فنِ شعر کے گرد   شاگردوں کا اس کے ہوں میں شاگرد
میں ذرّہ ہوں اور ہے وہ خورشید   خورشید سے ذرّہ کو ہے تائید
میں قطرہ ہوں اور بحر عُمّاں   عُمّاں سے وجودِ قطرہ ہے ہاں
آپ اس نے ہی، ہوں میں جس کا مدّاح   دیوان کو میرے دی ہے اصلاح
مجھ کو دیا افتخار اُس نے   بخشا مجھے اعتبار اس نے
ہے زیب سر اس کے دَر کی جو خاک   پہنچا مرا سربہ اوجِ افلاک
حق اس کو رکھے سدا سلامت   شاگرد نواز تاقیامت
تفتہؔ کے سبب یہ خواہشِ دل   رتبہ یہ ہوا ہے مجھ کو حاصل
وہ چرخِ زمینِ شعر تفتہؔ   ہے جس کا سخن مہِ دو ہفتہ
ہندی رہِ فرس کا ہے رہ رو   عہد اپنے کا ہے امیر خسروؔ
ناطقؔ ہے وہ فارسی زباں میں   ہے غلغلہ جس کا اصفہاں میں
ہے تفتہؔ آتشِ محبّت   ہے جس کا کلام پُر حرارت
غالبؔ کا ہی وہ بھی خوشہ چیں ہے   میں ہوں کہیں اور وہ کہیں ہے

اے ساقیِ خوش کلام لاجام
مجھ کو مئے فیض کا پلا جام

◆◆◆

قصیدہ بائیسواں [۲۲] مسمیٰ (دو دو دل) درشانِ
استادی حضرت مولانا مرزا اسداللہ خان صاحب
المتخلص بہ غالبؔ دہلوی المعروف بمرزا نوشہ (۵۲ شعر)

یکتائی جس طرح سے ہے جاناں کو جاں کے ساتھ
ہے یک دلی سخن کو ہماری زباں کے ساتھ

بحر رواں سے موج کو ہے جس طرح سے ربط
بحرِ سخن کو ربط ہے طبعِ رواں کے ساتھ

مانندِ لفظ و معنی و مانندِ جسم و جاں
مثلِ صفات و ذات نہاں ہے عیاں کے ساتھ

جب تک پھرے گا چرخ پھریں گے نہ میرے دن
گردش میرے نصیب کو ہے آسماں کے ساتھ

وہ جا نہیں ہے، ہے یہ جہاں وہ جہانِ جاں
قایم ہے یہ جہاں اُسی جانِ جہاں کے ساتھ

ق

پروانہ شمع پر جو گرا کیا عجب ہوا
پیدا ہوا ہے سوز دلِ بے دلاں کے ساتھ

فرماں بر آپ کے بھی تو ہیں ایسے ایسے جو
آتش کدے میں کود پڑیں ایک ہاں کے ساتھ

مسجد پہ آفت آئی تو کیا دیر کو ہوا
ناقوس کیوں مچانے لگا شور اذاں کے ساتھ

جاں سے زیادہ دل کو نہ ہو کیوں عزیز غم
کیوں میزباں کو انس نہ ہو میہماں کے ساتھ

تابوت تیرے کشتۂ خاموشی کا اُٹھا
فریاد و آہ نالہ و شور و فغاں کے ساتھ
گُل رو ہزاروں ساتھ ہیں اُس باغِ حُسن کے
پھرتی ہے نوبہار لگی گلستاں کے ساتھ
اک دم کے چھوٹے آمد و شد ہے جہان کے
دھوکے کا صرف سودا ہے اس کارواں کے ساتھ
غیرت کی جا ہے قیس کے تیری تلاش میں
لیلیٰ اکیلی پھرتی ہے اک سارباں کے ساتھ
رہبر سمجھ کے سونپ دی رہزن کو جب متاع
پہنچا خطر مقامِ عدم میں اماں کے ساتھ
پروانہ شمع حُسن کا بے خانماں ہوں میں
نسبت مکان کو ہے میرے لامکاں کے ساتھ
پہنچوں گا کیسے دوست تلک یک نشد دو شد
کتا بھی دشمن اپنا ہوا پاسباں کے ساتھ
کج راستوں کو کھینچے اور راست کھینچے ہیں
تیر ایک دم سوا نہیں رہتا کماں کے ساتھ
زخم جگر نہ ہوں گے کبھی خشک اور کبھی
ہوگی نہ یہ بہار مبدل خزاں کے ساتھ
خالی گئے جہان سے کشتے نہ تیرے شُکر
احسان لے گے ترے تیغ و سناں کے ساتھ
کرتا ہوں ایک مطلعِ دل چپ آشکار
پنہاں جو میرے دل میں ہے دردِ نہاں کے ساتھ
ہے ارغنوں بھی جامِ مئے ارغواں کے ساتھ
ہم آئے پیش پیر مغاں ارمغاں کے ساتھ

طور اُس کے کچھ سلجھنے کا آتا نہیں نظر
تارِ نظر الجھ گیا موئے میاں کے ساتھ
بند اپنے لب ہیں اُس لب شیریں کے ذکر میں
وابستہ جس طرح سے بیاں ہے دہاں کے ساتھ
بیمار عشق ہوں نہ دوا دے مجھے طبیب
جاے گا جاں گزا یہ مرض میری جاں کے ساتھ
ہے لعلِ لب سے گوہر دنداں کو چھیڑ چھاڑ
ہے یم کا شور معرکہِ دُرِ کاں کے ساتھ
چونتیس کا ہے نقش اجل کا میری اجل
پیدا یہ دل ہوا ہے جو مجھ ناتواں کے ساتھ
کیوں کر نہ منہ لگائے وہ زہرہ جبیں اُسے
اعداد نے مساوی ہیں صفر دہاں کے ساتھ
کیا کیا نہ باندھے طوطیوں نے مل کے طوطیے
تنہا گئے جو باغ میں وہ باغباں کے ساتھ
کرتا ہے شکرِ نعمت ادا بسکہ وہ مرا
کھاتا ہے میرا مغز ھما استخواں کے ساتھ
ہوں میں شہیدِ ناز کسی سرخ پوش کا
رکھ دو مزار میں کفن خونِ چکاں کے ساتھ
باز آیا وصل ہے کہیں میرا وصال ہو
یارب ہو سود اپنا مبدل زیاں کے ساتھ
نے ہم زمیں کے ہیں نہ زماں کے، لگا کے دل
اُس آفتِ زمیں و بلائے زماں کے ساتھ
جایز ہے قتلِ عاشقِ صادق تو کیجیے قتل
بے امتحان کیجیے یا امتحاں کے ساتھ

سہوِ طوافِ اخرِ برگشتہ بخت قیس
ساتوں ستارے پھرتے ہیں ہفت آسماں کے ساتھ

ہے تیغ کیں کے ساتھ نمک پاش بھی ضرور
اک شور الحذر کا ہے یاں الاماں کے ساتھ

اہلِ عزا سے کہتا ہے مردہ ہے کیوں یہ گرم
مرنے کا میرے ہے تو یقیں پر گماں کے ساتھ

سوداؔ و میرؔ و مصحفیؔ و جرأتؔ اور دردؔ
مجھ کو نہیں ہے کام کچھ ان رفتگاں کے ساتھ

ممنوںؔ و مومنؔ، انسؔ و ناسخؔ، نصیرؔ و ذوقؔ
کچھ واسطہ نہیں ہے ان اہلِ زباں کے ساتھ

جو مہر سے ہے ذرّہ کو نسبت وہی مجھے
نسبت ہے میرزا اسداللہ خاں کے ساتھ

غالبؔ ہے غالبؔ الشعرا کا میرے لقب
رشتہ تلامذہ کا ہے اُس نکتہ داں کے ساتھ

اُس شاہِ ملکِ نظم سے ہے مجھ کو مشورہ
مثل بذرِجمہر ہوں نو شیرواں کے ساتھ

نام آوری وہ کیا ہے جو ہو مدحِ شاہ جیسے
شہرت ظہیرؔ کو تھی قزل ارسلاں کے ساتھ

معنی نے اُس کے شعر اُڑائے جہان میں
عنقا یہ وہ ہے اُڑتا ہے جو آشیاں کے ساتھ

دعویٰ برابری کا ہے اُس کو کمال سے
دلّی کو ہم سری کا ہے سر اصفہاں کے ساتھ

لطف اس کا کون اُٹھائے بغیر از لطیف طبع
لاکھوں لطیفے اُس کے ہیں لطفِ بیاں کے ساتھ

باوصفِ کثرت اُس کے سخن ہے گراں بہا
ارزاں یہ جنس بکتی ہے نرخِ گراں کے ساتھ

ہنگام ذکر خندہِ دنداں نمائے دوست
ہے گُل فشانی بھی سخنِ درفشاں کے ساتھ

اشعارِ گرم شعلہ زبانی کے ہیں ولیک
پیدا ہوئے زبان میں نوکِ زباں کے ساتھ

بخت اس کا ہے جوان و خرد اُس کی پیر ہے
پیروں کے ساتھ پیر و جواں ہے جواں کے ساتھ

جام وصراحی و نے و چنگ اُس کے ہیں رفیق
مسرور ہے سدا انہی خورد و کلاں کے ساتھ

ایراں کو عہدِ غالبؔ عالی جناب میں
تابِ مقاومت نہیں ہندوستاں کے ساتھ

''دودِ دل'' اس قصیدے کا بے صبرؔ نام ہے
سوزِ دروں ہوں مجھ کو ہے نسبت دخاں کے ساتھ

•••

قصیدہ مسمیٰ بہ پرکالہ آتش بمدح
حضرت استادی ومولانا اسداللہ صاحب غالبؔ (۴۱ شعر)

چشمِ بد دور ہے تردیدۂ گریاں میرا
چادر آب کا اک پاٹ ہے داماں میرا

معنوی رشتہ گریبان و جنوں میں ہے میرے
ہے رگِ دستِ جنوں تار گریباں میرا

رہے گھر میرے قدم کی برکت کا آباد
نقش پا سے میرے آباد ہے ویراں میرا

لاکھ دیوانوں میں اب ایک رہا ہوں میں اسیر
ہے بیابان میرے واسطے زنداں میرا
جس کا غم خوار ہوں میں ہے وہی میرا خوں خوار
میزباں میرا ہے جو ہے وہی مہماں میرا
بوسہ دینے سے نکر اے بت ہندو نفرت
میں مسلماں نہیں میں جانو اور ایماں میرا
ہنس پڑے آپ کُھلا مجھ سے نہ جب بند قبا
کام دشوار ہوا ایک اک آساں میرا
ہو کے ترخوں میں گرا چشم کف پا سے میرے
مژہ تر ہے مری خار مغیلاں میرا
صبح ہونے کی خوشی کیا نہیں گر صبحِ وصال
تیرہ تر تجھ سے ہے روز اے شب ہجراں میرا
دل پذیر اور بھی اک کہتا ہوں مطلع ایسا
جس کو سُن کر ہو ہر اک شخص ثنا خواں میرا
جسم نے ہندوی نے دل ہے مسلماں میرا
جسم اور جان سے بھی بھید ہے پنہاں میرا
جب کہ بخشیں برکت میرے قدم اُس کو تو پھر
کیوں کہ بڑھتا نہ چلا جائے بیاباں میرا
زلفِ یار الجھے ہوئی دیکھی ہے سنبل میں تو ہے
حال اس خوابِ پریشاں سے پریشاں میرا
دلِ خورشیدِ قیامت کا سویدا ہوگا
آخر اک روز یہ داغِ دل سوزاں میرا
چارہ گر آیا ہے ناچار مرض سے میرے
دردِ دل سے مرے درماندہ ہے درماں میرا

ایسے طالع مرے ہمراہ کہاں ہیں جو کہے
آ ہے وہ خواب میں ہے یوسف کنعاں میرا
یہ سیہ بختی ہے اور یہ مری تیرہ روزی
نہیں ہم پلّہ ترازو میں بھی کیواں میرا
غم خوشی میں ہے مری شادی میں میرے ماتم
سود میں ہے ضرر اور نفع میں نقصاں میرا
نہ خبر پاؤں کی نے سر کی نہ سامان کی ہے
بے سر و پا ہوں میں دل بے سر و ساماں میرا
عرصۂ عشق میں گردوں ہے اور اپنا نالہ
یہی میداں ہے یہی گو یہی چوگاں میرا
اس قدر ہوں کمرِ یار کے غم میں لاغر
سایہ تن میں مرے تن جاں میں ہے پنہاں میرا
غیرتِ گوہرِ خوش لب کہوں پھر مطلع
موج زن طبع رواں کا ہے جو عماں میرا
ہوں میں وہ بحر کہ ہر قطرہ ہے طوفاں میرا
نہ کنارا ہے نہ ہے تھاہ نہ پایاں میرا
سیل ہر موج ہے گرداب ہے ہر ایک حباب
آب زہر آب ہے اور موتی ہے حرماں میرا
پاؤں میں موت کے سر رکھ کے بلاتا ہوں اُسے
پاؤں رکھتا ہے سرِ زیست پہ احساں میرا
لاغری اتنی کے آنکھوں کا ہوں میں تارِ نظر
لاکھ پردوں میں چھپا ہے تن عریاں میرا
بسکہ آتش کے برابر ہیں اثر کے اعداد
ہے جہاں سوز اثر نالہ و افغاں میرا

تخم اللہ کا ہے داغِ دلِ خوں گشتہ میرا
بید کی روح نباتی تن لرزاں میرا
خیر کے معرکہ میں میرا مددگار ہے شَر
ہے خطر امن کے صدموں سے نگہباں میرا
نالۂ گرم کا زائیدہ میرا تابستاں
نفسِ سرد کا پروردہ زمستاں میرا
داد کی جا ہے کہ کیا داد سخن کی دی ہے
داور نطق کا دیوان ہے دیواں میرا
نقطے نقطے میں میرے معنیٔ رنگیں ہیں بھرے
غنچہ غنچہ ہے پراز تازہ گلستاں میرا
مشتری کوئی نہیں آپ ہوں اپنے پہ گراں
بے بہا جنس ہوں اور مول ہے ارزاں میرا
قدر داں رہ رو چالاک کا ہو راہ نما
سحر آموز ہے میرا ہے سخت داں میرا
جس کا غالبؔ ہے تخلّص اسداللہ ہے نام
یہ تو ہے کفر جو کہیے کہ ہے یزداں میرا
پر ہے ہادی میرا رہبر میرا استاد میرا
قبلہ ہے کعبہ ہے دیں میرا ایماں میرا
مجھ کو گویا ہے حدیث اُس کا جو اُردو ہے کلام
فارسی اس کا وہ دیوان ہے قراں میرا
انوری ساوجی اور وہ ہے میرا خاقانی
آگرہ مہینہ ہے اور دلّی ہے شروان میرا
فاریاب اُس کا ہے گھر کوچہ ہے اس کا ساوج
ہے ظہیر اپنا وی اور وہی سلمان میرا

درِ عرفی و شفائی پہ جبیں سا نہیں میں
کعبہ شیراز ہے اور قبلہ صفاہاں میرا
نام پرکالۂ آتش ہے قصیدے کا میرے
کہ وہ بے صبؔر ہے سوز دلِ سوزاں میرا

♦♦♦

بال مکند بے صبؔر نے کئی قصیدوں کے علاوہ استاد غالبؔ اور بعض مقامات پر استاد تفتہؔ کا ذکر بہت ہی عمدہ طریقہ سے کیا ہے۔ یہ متفرق اشعار غزلوں، مثنویوں اور قصیدوں میں بکھرے پڑے ہیں ہم یہاں کچھ اشعار کو بغیر کسی ترتیب اور تشریح کے پیش کرتے ہیں ۔

التفاتِ حضرتِ غالبؔ سے اے بے صبؔر اب
مجکو حاصل شیوۂ شیوا زبانی ہوگیا

♦♦♦

بے صبؔر مثلِ غالبؔ روزِ ازل سے اب تک
پیدا ہوا نہ ہوگا صاحب زباں زمیں پر

♦♦♦

معنی و لفظ و بود گل، مہر و شعاع و بحر و موج
ذات و صفات ایک ہیں گرچہ ہیں ان کے نام دو

♦♦♦

حسبِ طلب صلہ ملا، میری طرف سے شکریہ
ایک اسدؔ کو ہے سلام، تفتہؔ کو رام رام دو

♦♦♦

شگفتہ خوش زمیں ہے یہ بفیضِ حضرتِ غالبؔ
غزل بے صبؔر کر ایک اور بھی تحریر سینے میں

♦♦♦

مشاعروں پر کیوں نہ غالب آؤں اے بے صبؔر میں
حضرتِ غالبؔ ہیں آخر کو مرے استاد بھی

♦♦♦

شبِ تنہائی میں بے صبؔر بقولِ غالبؔ
سایہ خورشیدِ قیامت میں ہے پنہاں مجھ سے

◆◆◆

جو مہر سے ہے ذرّے کو نسبت، وہی مجھے
نسبت ہے میرزا اسدؔ اللہ خاں کے ساتھ
غالبؔ ہے غالبؔ الشعرا کا مرے لقب
رشتہ تلامذہ کا ہے اس نکتہ داں کے ساتھ

◆◆◆

فیضِ تفتہؔ سے بلند آواز ہوں بے صبؔر میں
ہوگئے صحبت سے بم کی بول بالے زیر کے

◆◆◆

خدا نے میرے نیا گاں کے خانداں میں اُسے
کیا ہے میرا بزرگ اور خدایگاں پیدا

◆◆◆

میں اور وہ دونو ہیں شاگردِ حضرت غالبؔ
یہ خواجہ تاشی کی نسبت ہے درمیاں پیدا

◆◆◆

خوب کی پیروِیِ حضرتِ غالبؔ، شاباش
کہ وہ ملّت میں قصیدے کی ہے پچھلا مُرسل

◆◆◆

کیوں نہ اے بے صبؔر ہو سخن سب پر مرا
اس کو ہے اصلاحِ غالبؔ میرزا کی ان دنوں

◆◆◆

تاریخِ وفات مرزا غالبؔ : ہماں میرزا غالبؔ اوستادِ من
بجاں آفریں جاں چو آخر سپرد

پرسیدم از دل سنِ رحلتش
بنالیدو گفت آہ غالبؔ بمرد

۱۲۸۵ھ

اسداللہ خاں وہ غالبؔ آہ
جس سے اہلِ کلام تھے مغلوب
جب سدھارے بسوے خلد، ہوئے
سخن ان کے الم میں سینہ کوب
اس سپہرِ سخن کے اختر کا
مجھ کو سالِ غروب تھا مطلوب
کہا عیسیٰ نے از سرِ حسرت
ہوا حیف آفتابِ ہند غروب

۱۸۶۱ء

۸ + ۱۸۶۱ = ۱۸۶۹ء

سال وفات مرزا ہرگوپال تفتہؔ :

براہ سخن رفتہ بمردہ — تو گوئی کہ ماہِ دو ہفتہ بمردہ
چو تفتہؔ کہ بُد شاعرِ فارسی گو — شبستانِ شعر و سخن گشتہ بمردہ
چو سالِ وفاتش بہ بے صبرؔ جستم — بفرمود لیس حیف تفتہؔ بمردہ

۱۲۹۶ھ

❑❑❑

ہرگوپال تفتہ اور بے صبر

پیدائش : ۱۷۹۹ء۔۱۸۰۰ء (۱۲۱۴ھ)

انتقال : ۲/ستمبر ۱۸۷۹ء (۱۵/رمضان ۱۲۹۶ھ)

بدری کرشن فروغ نے تاریخ کہی ۔

ستمبر ستم با بعالم گذاشت — کہ از دہر سوے جناں تفتہ رفت
دوم روز، درد ہر ماتم دو چند — زجور فلک الاماں، تفتہ رفت
سنِ عیسوی گفتم آخر، فروغ — "چہ سوے جناں، زین جہاں تفتہ رفت"

۱۸۷۹ء

مولوی ممتاز احمدؒ تھانوی نے ہجری میں تاریخ وفات لکھی ۔

سال نقلش با دلِ زار از خرد — من شنیدم "بے سرو پاشد سخن"

۱ — ۱ + ۱۲۹۵ = ۱۲۹۶ھ

سکونت : قصبہ سکندر آباد۔ شہر (بلند شہر)

ولدیت : موتی لال

قوم : کایستھ بھٹنا گر

اولاد : دو بیٹے امراو سنگھ، بت مبر سنگھ، ایک لڑکی

تخلص : پہلے رامی تخلص کرتے تھے۔ غالب نے مرزا کا خطاب دے کر تخلّص تفتہ کر دیا۔

رامیِ تو، کز غمت بیمار بود — عاقبت امروز، از دنیا گذشت
زرامیِ تو، چو ما سرگزشت پرسیدیم — کشید آہ گریباں درید و ہیچ نگفت

غالب تفتہ کو چاہتے تھے۔ آج بھی (۱۲۲) سے زیادہ خطوط غالب کے ان کے نام مطبوعہ شکل میں دستیاب ہیں۔

شاعری : تفتہ فارسی کے شاعر تھے۔ ''نشترِ عشق'' تذکرے کے مولف حسین قلی خان لکھتے ہیں کہ نور العین واقف بٹالوی کے دیوان کے مطالعے نے اُن کے دل میں شعر گوئی کا شوق پیدا کیا۔ ان کا صرف ایک اُردو میں قطعہ اُستاد غالب کے انتقال پر ملتا ہے۔

غالب وہ شخص تھا ہمہ داں جس کے فیض سے
ہم سے ہزاروں ہیچداں نامور ہوئے
فیض و کمال و صدق و صفا اور حسن و عشق
چھ لفظ اس کے مرنے سے بے پاؤ سر ہوئے

بقول خلیل الرحمٰن خلیل، فارسی میں بہت بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ چار دیوان ہیں اور کسی میں بھی بارہ تیرہ ہزار شعر سے کم نہیں۔ سعدی کی گلستاں کی نظمیں لکھی۔ ایک مثنوی سنبلستان بوستاں کے جواب میں لکھی۔ تمام مشہور اساتذہ فارسی کی غزلوں پر غزلیں لکھیں ہیں اور خوب خوب دادِ سخن دی ہے۔ بلکہ تیسرا دیوان تمام تر خلاقِ معانی کمال، اسماعیل اصفہانی کی طرحوں میں ہے اور کسی جگہ فارسیت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ کچھ نمونہ کلام یہ ہے۔

سالکانِ تفتہ جاں، تنہا نہ منزل سو ختند
راہ را در آتش افگند ندو منزل سو ختند
عاشقاں گرم تماشا، چون شدند از فرطِ شوق
بر رُخِ معشوق دیدند آنچہ حایل، سو ختند
بگذر از دیوانگانِ خود، کہ ایں آتش و ماں
طوق را کر دند خاکستر، سلاسل سو ختند
حالِ باغ از من مپرس، اے محفلِ عیش تو گرم!
لالہ ہا، بے تو، بزہد و اِتقا آتش فگن
تفتہ! باحق ساختند آناں کہ باطل سو ختند

◆◆◆

اے تماشا گاہِ این دل روے تو — عالمے در دل تماشا کردہ ایم
مانہ تنہا دیدہ پر نم کردہ ایم — آنچہ نتواں کرو، آں ہم کردہ ایم
وار و از خود رفتگی ہا، عالمے — رفتہ ایم و سیرِ عالم کردہ ایم

❑❑❑

شاگردانِ بےصبرؔ!

کہتے ہیں کہ بال مکند کے شاگرد زیادہ تھے شاید اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ غالبؔ کے شاگرد اور فارسی کے عمدہ شاعر ہرگوپال تفتہؔ بلندی شہری کے بھانجے اور شاگرد بھی تھے۔ تفتہؔ اگرچہ غالبؔ کے عمدہ شاگردوں میں شمار ہوتے تھے لیکن خود بھی چار ضخیم فارسی دیوانوں کے مصنف بھی تھے۔ ایک اور وجہ بال مکند کے کثیر التلامذہ ہونے کی شاید یہ بھی ہو کہ بےصبرؔ کی علوم عروض اور قافیہ اور حُسن و قبیح شعر پر گہری نظر تھی۔ بہرحال استاد الاستاتذہ غالبؔ دہلوی کا شاگرد ہو وہ بہرحال دوسرے شاعروں پر غالب ہی رہتا ہے، افسوس کی بات یہ ہے کہ بال مکند کے وارثوں اور ان کے شاگردوں نے بھی ضروری اطلاعات کو عوام اور خواص تک فراہم نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے تمام شاگردوں کی فہرست موجود نہیں۔ بال مکند کے شاگردوں میں ان کے فرزند کرشن چندر سروپ منیرؔ کے علاوہ بنواری لال شعلہؔ، شنکر لال ساقیؔ، سندر پرشاد مجنوںؔ اور عباسؔ سہارنپوری کے نام ملتے ہیں۔ تحقیقات کے باوجود اور تذکرے کھنگالنے کے بعد بھی عباسؔ سہارنپوری کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکے۔ جہاں تک بےصبرؔ کے بیٹے سروپ منیرؔ کا تعلق ہے ہم ان کے کلام جو ان کے والد کی موت پر لکھا گیا نمونے کے طور پر یہاں پیش کرتے ہیں یہ قطعہ تاریخ وفات بھی ہے۔

رسالہ ''بدیع البدایع'' ہی کے صفحہ ۴۴ پر بےصبرؔ کے بڑے بیٹے (بعد از ہرسروپ مرحوم) منشی کرشن چندسروپ صاحب منیرؔ کا کہا ہوا قطعۂ تاریخِ وفات ''قبلہ و کعبہ والا بزرگوار جناب منشی بال مکند صاحب بےصبرؔ تخلص سکندرآبادی'' درج ہے جس کو ہم لکھ چکے ہیں۔

منیرؔ فارسی اور اُردو کے عمدہ شاعر تھے۔ بال مکند بےصبرؔ کا پورا خاندان فارسی داں تھا جس کی ایک مثال ہرگوپال تفتہؔ تھے۔

سندر پرشاد مجنوںؔ

پیدائش : ۱۸۴۱ء

انتقال : ۱۸۶۸ء

عمر : ۲۸

ولدیت : رائے نراین دیال

دادا : وزیراعظم فرخ آباد ہیرانند

عمدہ شاعر، کچھ کلام محفوظ ہے، دینا ناتھ سیّاح نے زمانہ اگست ۱۹۱۴ء میں ان پر مضمون لکھّا ہے۔ بےصبرؔ سے خاندانی تعلقات تھے چناں چہ ان کے بڑے بیٹے کی شادی پر پانچ سہرے لکھے۔ سہرا گنگا جمنی تہذیب کا رنگین اور مہکتا ہار سمجھا جاتا تھا۔ عرب اور ایران میں سہرے کا وجود نہیں، یہ برصغیر کی تہذیبی روایت ہے ۔

ظلمت و نور برابر نظر آئے مجھ کو
تری کا کل کا ہوا جب کہ برابر سہرا
خوب ہل ہل کے بلا لیتا ہے اس کے رُخ کی
عاشق زار ہے نوشہ کا مقرر سہرا
سہرے اور تارِ شعاعی میں ہے بحث اب دیکھیں
ہووے منصور وہ یا تیرا مظفّر سہرا
لکھ چکے سہرے تو بس غالبؔ و ذوقؔ اے مجنوںؔ
کون لکھ سکتا ہے اب ان کے برابر سہرا

دوسرے سہرے سے تین شعر ۔

اک گماں تھا کہ شفق سے شہِ خاور نکلا　　رُخ سے نوشہ نے جو پھولوں کا ہٹایا سہرا
عمر ہو خضر کی حاصل بہ عروس و نوشہ　　سر پہ دولہا کے مبارک ہو خدایا سہرا
سب سخن فہموں نے دی دادِ سخن اے مجنوںؔ　　سرِ محفل مرا حُوروں نے جو گایا سہرا

مجنوںؔ کو اپنے استاد سے محبّت تھی وہ ان پر فخر کرتے اور بلند شہر میں اپنے چچا کے ساتھ جو

ڈپٹی کلکٹر تھے رہتے تھے دو شعر سینے ہ

کیا لکھوں حضرتِ بےصبرؔ کا وصف اے مجنوںؔ آج تک ایسا زمانے میں نہ استاد آیا

◆◆◆

بے صبرؔ سا ہمارا ہو استاد جب کہ واں کیوں ہو سرِ فلک پہ نہ پائے بلند شہرؔ

◆◆◆

بنواری لالہ شعلہؔ

پیدائش : ۱۸۴۷ء

انتقال : ۱۹۰۳ء

ولدیت : منشی موتی لال بھٹناگر (سلسلہ نسب رائے جگت سنگھ تک پہنچا ہے)

قوم : کایتھ

شاعر : ۲۰ سال کی عمر میں شاعری شروع کی۔

شاگردی : بال مکند بےصبرؔ اور ہرگوپال تفتہؔ کے شاگرد رہے۔ نومشقی کی چند غزلیں مرزا غالبؔ کی نظر سے بھی گذریں۔

شغل : عدالت دیوانی کے وکیل تھے۔

تصانیف : ''کلیاتِ شعلہؔ'' (اب کمیاب ہے) اس میں جملہ اصناف سخن کے عمدہ نمونے ہیں۔ آپ کی مشہور مثنوی برج چھپ معروف بہ برندا بن ہے۔ آپ کی رگ رگ میں سری کرشن کی محبّت تھی۔

شعلہؔ کی شاعری میں استاد کی تعلیمات کا اثر قوی ہے۔

ہم کافی وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ شعرائے ہنود کے گروہ شعرا میں قدیم رنگ قصیدہ و غزل کی پیروی شعلہؔ سے بہتر بلکہ ان کے برابر بھی کسی اور سے نہیں ہوسکی۔ شعلہؔ کی مثنوی اور مسدس میں جدید طرزِ سخن کے بھی قابل تعریف نمونے ملتے ہیں۔ مثلاً برج میں شب ماہ کی کیفیت ایسے دل کش انداز اور دل پذیر الفاظ میں کھینچی ہے کہ اکثر نسیمؔ اور تسلیمؔ کی شاعری کا سماں پیش نظر ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو ہ

کدھر ہے ساقی بزم شب ماہ کھلا بندِ نقاب حسن دل خواہ

شبِ مہتاب فرق چادرِ نور بیاباں در بیاباں جلوۂ طور

مجلّا نور تھا ہر اک طبق میں — زمیں لپٹی تھی چاندی کے ورق میں
شکن موج ہوا سے آسماں میں — جھلک سیماب کی ریگ راوں میں
زمیں پر فرق تھا چاندنی کا — مہ تاباں تھا اک گل چاندنی کا
معطر دشت تھا عطر حنا میں — لپٹ کافور کا موج ہوا میں
یہ آب و تاب تھی انوار مہ میں — جھلکتی تھی زمیں جمنا کی تہہ میں
وہی تھی روشنی جو طور میں تھی — عروس شب مغرق نور میں تھی
بھرا تھا نور مہ سے تابہ ماہی — بنی تھی چاندنی ظل الٰہی
قیامت زا عجب اندازِ نے تھا — لبِ جاں آفریں و ساز نے تھا
ہوا تھا سوز سے بیتاب پانی — بنا تھا آگ پر سیماب پانی

کلیات شعلہؔ میں رُباعی مخمس اور مسدس کے نمونے موجود ہیں، ہم شعلہؔ کی منتخب غزلوں سے شعر درج کرتے ہیں۔

نہ عروضی ہوں نہ ہوں واقفِ ارکان سخن — فاعلاتن نہ مجھے یاد نہ بابِ تفعیل

◆◆◆

وہ میں نہیں کہ چھپائے پھروں ہزار میں دل — جو لینے والا ملے پھینک دوں ہزار میں دل
ہزار عرصۂ محشر ہو سیر کے قابل — اٹھے گا کون اگر لگ گیا مزار میں دل
وہی ہے نالہ پر درد ناتوانی میں — یہ نغمہ تار میں بے یا ہے جسم زار میں دل
تمہارے تیر کی حسرت کو بھی جگہ مل جائے — جو ایک اور بھی نکلے دل فگار میں دل
کہاں دکھائے وہ شعلہؔ ہجوم حسرت میں — کہاں بتائے غم ہائے بے شمار میں دل

◆◆◆

کی میں نے آہ گرم جو فرقت کی رات میں — غل پڑ گیا کہ آگ لگی کائنات میں
نہ خون دل ہے نہ مے کا خمار آنکھوں میں — بسی ہوئی ہے تمہاری بہارِ آنکھوں میں
میں دیکھ لوں کہ نکلتے ہیں کس طرح باہر — وہ آ بھی جائیں کہیں ایک بار آنکھوں میں
الٰہی دیدۂ حیراں کھلا نہ رہ جائے — ٹھہر نہ جائے کہیں انتظار آنکھوں میں

◆◆◆

برسے ہے لہو جنبش ابرو کی ادا میں — خنجر کو ڈبو دیجیے خون شہدا میں

کیا بادِ بہاری سے ہرے داغ جنوں ہوں یہ پھول کھلیں گے کبھی جنگل کی ہوا میں

◆◆◆

خدا کرے کہیں آجائے ہاتھ میں دامن وہ کھیل سمجھے ہیں بے اختیار ہونے کو

◆◆◆

کچھ تمنا ہی نرالی ہو تو کیوں کر نکلے آرزو کہتی ہے پہلے دل مضطر نکلے

◆◆◆

دیر و حرم میں جلوۂ جانا نہ ایک ہے
پردہ اُٹھے تو کعبہ و بت خانہ ایک ہے
میں آپ پر فدا ہوں فدا آپ غیر پر
میرا اور آپ کا تو کچھ افسانہ ایک ہے

◆◆◆

سمند ناز پہ آئے مجھے مٹا کے چلے ذرا سی خاک کو کوسوں تلک اڑا کے چلے
رہے گا قرب خدا قافلہ شہیدوں کا ذرا بہشت میں ٹھہریں گے کربلا کے چلے
جما نہ نقش تمنا تمہارے کوچہ میں نشانِ سجدۂ سر پانوں سے مٹا کے چلے

◆◆◆

خدا کے واسطے ہاتھوں میں تیغ خوں فشاں لیجیے
جھکا پڑتا ہے سر کہتا ہے میرا امتحاں لیجیے
سمندر کیا ہے یاں طوفاں بھرے بیٹھے ہیں آنکھوں میں
اک آنسو گر ٹپکنے دیجیے دریا رواں لیجیے

◆◆◆

فغاں کا طرز جو رنگینی سخن میں رہے
چھپی ہوئی مری فریاد پیرہن میں رہے
الٰہی فرق نہ داغ نو و کہن میں رہے
چمن کا پھول اجڑ کر بھی اس چمن میں رہے

◆◆◆

جنوں کا سلسلہ در پردہ نکلا حسن پنہاں سے　　　حجاب یار رسوا ہے مرے چاک گریباں سے

◆◆◆

شنکر لال ساقیؔ

پیدائش　:　۱۸۳۳ء

انتقال　:　۱۸۹۷ء

ولدیت　:　منشی خوب چند

شاعری　:　اُردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ بھاشا میں بھی شعر کہتے تھے۔

استاد　:　بال مکند بے صبرؔ اور ہر گوپال تفتہؔ

کلام کبھی شائع نہیں ہوا، کچھ اشعار تذکروں میں محفوظ ہیں۔ سات شعر ''خم خانۂ جاوید'' میں سات شعر ''تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود'' میں چار شعر اور ایک قطعہ تاریخ تصنیف استاد بے صبرؔ۔

صید مرغِ جاں ہوا اپنا دلِ مضطر سمیت　　　تیر بیٹھا اس کا پہلو میں ہمارے، پر سمیت

◆◆◆

دباتے ہم نہ دل اپنا جو چرخ پیر چٹکی میں　　　تو پھر تجھ کو اڑاتے نالۂ شب گیر چٹکی میں

عجب چشمِ جنوں گر کی ہے یہ تاثیر چٹکی میں　　　نشانہ اڑ گیا اور ہے نظر کا تیر چٹکی میں

◆◆◆

قطعہ

بتا دیں، تھا یہ چھلاّ کل تمہارا کس کی انگلی میں
خفا ہوگا جو اس کا نام لیں تھا جس کی انگلی میں
اڑا لائے مسیحا بن کے شاید حضرت ساقیؔ
انگوٹھی کل یہ گرجا گھر میں تھی اک مس کی انگلی میں

◆◆◆

قطعۂ تاریخ تصنیف منشی شنکر لال صاحب المتخلص بساقیؔ شاگرد بے صبرؔ بطور تعمیہ

چھپی جو لختِ جگر مثنوی تو اے ساقیؔ
طبیعت اپنی ہوئی اس کو دیکھ کر خرّم

تلاش تھی سن ہجری کی مجھ کو ہاتف نے
کہا یہ ازسرِ دانش یہی ہے باغ ارم
۱۲۸۴ہجری

افسوس اس بات کا بھی ہے کہ بال مکند بےؔصبر کے فرزند اور خاندانی وارث بااثر افراد تھے اور انگریز حکومت سے جڑے ہوئے بھی تھے لیکن اپنے جد کے کلام کو صرف طاق نسیاں میں رکھ کر دنیاوی معاملات میں مصروف رہے۔ بےؔصبر کے کئی شاگرد بھی تھے جن میں بعض ممتاز اور معروف رہے لیکن انھوں نے بھی کوئی قدم ان کے کلام اس اشاعت کی طرف نہیں اٹھایا، چناں چہ جب مالک رام نے تلامذہ غالبؔ تالیف وتصنیف کی تو ان کے پاس کوئی خاص مواد نہ تھا اور شاید انھوں نے اس طرف تحقیق بھی نہ کی۔ اس لیے تین تذکروں ''آثارالشعرائے ہنود''، ''بہارِ سخن'' اور ''خم خانۂ جاوید'' کے اشعار اور کچھ عبارتوں سے ایک ناقص خاکہ بال مکند بےؔصبر کا ایک عمدہ کتاب کے لیے لکھ ڈالا ہم اس دوصفحہ کے خاکے کو اس لیے بھی پورا پیش کررہے ہیں کہ ایسی تحریروں کو اونچی دکان پھیکا پکوان کی فہرست میں رکھا جاسکتا ہے۔

بےصبر ______ منشی بال مکند سکندرآبادی

ان کے والد رائے کانہہ سنگھ (کانجی مل، ''خم خانۂ جاوید'') قوم کے بھٹناگر کایتھ تھے۔ یہ بھی اسی سکندرآباد کے رہنے والے تھے جہاں کے تفتہؔ تھے اور غالباً اُن سے کچھ عزیز داری بھی تھی۔ بہت صغرسنی میں شعروسخن کا شوق پیدا ہوا، چند سال تفتہؔ سے بھی مشورہ کرتے رہے۔ علمی استعداد بہت اچھی تھی۔ غالباً فارسی کے علاوہ عربی اور سنسکرت بھی جانتے تھے۔ اس کے علاوہ منطق اور نجوم میں بھی اچھی دست گاہ تھی۔ ان کے بہت شاگرد تھے۔ جن میں بنواری لال شعلہؔ زیادہ مشہور ہوئے۔ مدّتوں سرکار انگریزی میں محکمۂ مال میں منشی گری اور داروغگی کے عہدوں پر متمکن رہے۔ اسی سلسلے میں دہلی میں سکونت کا اتفاق ہوا اور یوں غالبؔ سے ملنے کی تقریب پیدا ہوگئی۔ ستر برس کی عمر تھی جب ۱۸۹۰ء میں انتقال کیا۔

اُردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے تھے۔ دیوان اور ایک مثنوی ''لختِ جگر'' مطبوعہ موجود ہے۔ مثنوی میں ۲۵۰۰ شعر ہوں گے۔ ایک دوسری مثنوی ''اخگرِ عشق'' غیر مطبوعہ رہ گئی۔ یہ ۱۲۷۳ھ میں لکھی گئی تھی۔ ''لالۂ پرداغ'' تاریخ ہے۔ اب ان کے چند شعر دیکھیے

مدّعا، گر ہے تو یہ ہے، عاشق دلگیر کا اشک میں ہونا اثر کا، آہ میں تاثیر کا

بے خودانِ عشق کو کیا حاجتِ ترک لبا　　　تن سے پیرا ہن جدا ہوتا نہیں تصویر کا

◆◆◆

عیاں جب اپنا فروغِ جمال تو نے کیا　　　تمام کردیا مہ کو، کمال تو نے کیا
آدمی کی کٹتی ہے بے صبرا! کس سختی سے عمر　　　پیر ہونا طفل کا لانا ہے جوئے شیر کا

◆◆◆

زبس ہر چیز کی قدر اس کی ضد سے ہوتی ہے ظاہر
ہوئی جس روز سے شادی، نہ تھا پھر لطفِ غم ظاہر

◆◆◆

فتور پیری نے آکے قویٰ میں ڈال دیا　　　سحر نے تفرقہ مہماں سرا میں ڈال دیا

◆◆◆

کر کے مجھ کو قتل، وہ مغرور بولا غیر سے
''تھا بہت اس کو بھی اپنی سخت جانی پر گھمنڈ''

◆◆◆

کچھ میں کہتا ہوں، تو کہتے ہیں ''کیا چاہتے ہو؟''
چپکے بیٹھے نہیں رہتے ہو، اُٹھا چاہتے ہو
تم نہ بولے، تو نہ بولا کوئی تم سے، بے صبرا!
اب کیا چاہتے ہو کچھ، تو سُنا چاہتے ہو

◆◆◆

غیر کو دیکھنا بچشمِ عتاب　　　دیکھنے کا بہانہ تو دیکھو

◆◆◆

تیغِ آبرو شہرۂ آفاق ہے　　　چشم بددور! اپنے فن میں طاق ہے

◆◆◆

یار جب مجھ کو یاد آتا ہے　　　گریہ بے اختیار آتا ہے

◆◆◆

ابھی تو گذرے ہیں دن ایک دو، ابھی کیا ہے
ولا! تو بیٹھا کوئی دن تو رو، ابھی کیا ہے

◆◆◆

زمیں سے آسماں، اور آسماں سے لامکاں پہنچے
تلاشِ یار میں دیکھو، کہاں سے ہم کہاں پہنچے

◆◆◆

سوزِ جگر یہ اپنا، نہیں خودبخود، ضرور
یہ آگ تو کسی کی لگائی ہوئی سی ہے
بوٹا ساقد، چھریرا ساتن، چمپئی سا رنگ
بھولی سی صورت، آنکھ لجائی ہوئی سی ہے

◆◆◆

رخصت وہ ہوا، اشک ہمارے نکل آئے　　خورشید کے چھپتے ہی ستارے نکل آئے
وہ جوشِ خوں نہیں، محتاج ہو جو نشتر کا　　نہ نکلے توڑ کے جو رگ کو، وہ لہو کیا ہے

◆◆◆

گر افتخار ہے معشوق کا، تو عاشق سے
نہیں جو میں ترے نزدیک کچھ، تو تو کیا ہے

◆◆◆

نہیں ہے صبر تو بےصبرؔ! ہے تلاش عبث
جو چیز کھوئی گئی، اس کی جستجو کیا ہے

◆◆◆

آخر ترے غم میں مر گئے ہم　　بھرنا تھا جو دُکھ سو بھر گئے ہم
بےصبرؔ! نہ جان کا کیا خوف　　اس کوچے میں بےخطر گئے ہم

◆◆◆

اس دل نے کیا خراب مجھ کو　　دکھلائے نہ کیا عذاب مجھ کو
بےصبرؔ! میں زندگی سے ہوں تنگ　　دیے موت خدا شتاب مجھ کو

◆◆◆

جاناں دبدم شراب و نوشم　　　ایں کفر بدیں نمی فرد شم
بر ساقی و بادہ، باد قرباں　　　نقدِ دل و دین و صبر و ہوشم
دستِ من و دوشِ عیش، کامروز　　　دستِ صنم است زیبِ دوشم
از نغمہ زباں مباد خاموش　　　گوید بدم ار کسی خموشم
یار دمے و مطرو است بےصبرؔ　　　باید کہ نہ جُز نشاط کوشم

(''تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود''، ص:۳۳۔۱۳۷

''بہارِ سخن''، ص:۸۶۔۸۷؛ ''خم خانۂ جاوید'' (ا) ص:۶۸۲۔۶۸۳)

سوال یہ ہے کہ کیا یہ انصاف ہے کہ ایک اچھے اردو فارسی کے شاعر جس کا دیوان پورا مسودہ کی شکل میں ڈیڑھ سو سال سے محفوظ ہو، زیور طباعت سے مزّین نہ ہو۔ اسی لیے ہم بےصبر کے دیوان کے علاوہ ان کی دوسری تصنیفات بھی عوام کے حضور میں پیش کر رہے ہیں۔

* مختارالدین احمد نے ''ہماری زبان'' کے شمارے جولائی ۱۹۵۷ء میں ایک مضمون بال مکند بےصبرؔ پر لکھ کر بتایا کہ ''دیوانِ بےصبرؔ'' کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے کے وجود کا راقم کو علم نہیں۔ پھر دو غزلیں مثنوی ''لختِ جگر'' مطبوعہ ۱۲۸۸ء اور بقیہ شعر منشی دیبی پرشاد بشاشؔ کے تذکرے سے نقل کیے۔''

اس دل نے کیا خراب مجھ کو　　　دکھلائے نہ کیا عذاب مجھ کو
باہر ہوں میں اپنے آپ سے بھی　　　یہاں تک ہے اضطراب مجھ کو
ہے دیر نہ شرط ہم دمی اب　　　اے آہ جلا شتاب مجھ کو
تم سے یہی چشم ہے کہ کر دو　　　غرق اے چشمِ پُر آب مجھ کو
ہے زندگی اپنے خون دل سے　　　ستم ہے قدح شراب مجھ کو
اک نام سے رہ گیا ہے اب ننگ　　　اور شرم سے اک حجاب مجھ کو
کیا تاب ہے کر سکوں جواب صبر　　　نے صبر ہے اور نہ تاب مجھ کو
اے مرگ! نہ مجتنب ہو مجھ سے　　　ہے زیست سے اجتناب مجھ کو
بےصبرؔ! میں زندگی سے ہوں تنگ　　　دے موت خدا شتاب مجھ کو

◆◆◆

آخر ترے غم میں مرگئے ہم
بھرنا تھا جو دُکھ سُو بھر گئے ہم

تو نے ہی نہ گزر کیا نہ ہم تک
گو جان سے بھی گزر گئے ہم

تیری کمر و دہن کے غم میں
معلوم نہیں کدھر گئے ہم

تھی ایسی گھڑی کہ گھر سے آئے
جیتے جی پھر نہ گھر گئے ہم

ہو کر تری عاشقی میں بدنام
نام اپنا جہاں میں کر گئے ہم

ہر سو نظر آئے لاش ہی لاش
کوچے میں ترے جدھر گئے ہم

آخر یمِ عشق میں رہے ڈوب
صد شکر کہ پار اتر گئے ہم

بے صبر! نہ جان کا کیا خوف
اس کوچے میں بے خطر گئے ہم

◆◆◆

عیاں جب اپنا فروغِ جمال تو نے کیا
تمام کردیا مہ کو، کمال تو نے کیا

نقاب دیکھ کے مجھ کو لیا ذقن تک کھینچ
گھٹا کے بدر کو کافر ہلال تو نے کیا

موا خوشی سے میں تیرے سبب تصوّر یار
شبِ فراق کو روزِ وصال تو نے کیا

بنایا سر و چراغاں بغرط داغ اے عشق
بس اب تو مجھ کو سراپا نہال تو نے کیا

قدم کو ہاتھ لگایا تھا بہرِعفو گناہ
کچھ اور دل میں عبث احتمال تو نے کیا

کسی کے کرکے ولا وصف لب کا اب دعویٰ
زبان کو مرے جوں شمع لال تو نے کیا

◆◆◆

زمیں سے آسماں اور آسماں سے لامکاں پہنچ
تلاش یار میں دیکھو کہاں سے ہم کہاں پہنچے

◆◆◆

ماخذ:-

مثنوی ''لختِ جگر'' مطبوعہ سہارن پور ۱۲۸۸ھ
''تذکرۂ آثار الشعرائے ہنود'' از منشی دیبی پرشاد بشاؔس، دہلی، ۱۸۸۵ء

❑❑❑

رسالہ

مسمیٰ بہ

بدیع البدایع

علم صنایع بدایع میں بزبان اردو
واسطے طلباء مدارس وشایقان سخن کے

من تصنیف شاعر باکمال سخنور شیریں مقال مقبول بارگاہ لم یزلی
جناب منشی بال مکند صاحب بے صبر سکندرآبادی

حسب منشاء اشتہار

نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی وشمالی

کشور ہند دام اقبالہ

نمبر ۱۹۷ الف مورخہ ۲۰ اگست سنہ ۱۸۶۸ء مندرجہ گورنمنٹ گزٹ ۲۹ اگست
سنہ ۱۸۶۸ء جو بذریعہ رزلیوشن نمبر ۱۷۲۱ الف ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۷ء کے مشتہر ہوا

مصنفہ سنہ ۱۸۷۰ء

مطبع دبیر ہند بلند شہر میں طبع ہوا

۱۱۰۰ جلد

رسالہ ''بدیع البدایع'' ایک نایاب رسالہ ہے جو میری شخصی لابریری ٹورنٹو (کینیڈا) میں موجود ہے۔ اس نایاب نسخہ علاوہ غیر مطبوعہ نسخہ ''گلستانِ ہند'' غیر مطبوعہ کلیات، اور دیگر مخطوطات سے مونوگراف کی تصنیف میں مدد ملی۔

اس رسالے ''بدیع البدایع'' کے آخری صفحہ پر موجود قطعہ تاریخ طبعِ رسالہ اور خاتمہ الطبع کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ یہ رسالہ ۱۸۷۰ء کی تصنیف ہے مگر ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد توحید وحدہٗ لاشریک صانع برحق اور حمد ایزد پاک مبدح مطلق کے یہ نااہل سراپا اہل خاک پائے اربابِ سخن خوشہ چین خرمن اصحابِ فن بندہ نیاز مند بال مکند المتخلص بہ بے صبر قوم کایتھ رہنے والا قصبہ سکندر آباد ضلع بلند شہر کا عرض کرتا ہے کہ بعد تحصیل علوم درسی و رسمی کے مجھ کو شوق انشا پردازی و سخن طرازی کا دامن گیر حال ہوا اور زانوے ادب خدمت حضرت استادی مولانا مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ دہلوی میں تہہ کر کے مدتوں خون جگر کھایا اور مشق سخن کو صاف کر کے سرمایہ دو دیوان اور تین مثنوی کا زبان اردو معلیٰ میں اور ایک دیوان فارسی بہم پہنچایا۔ چاہتا تھا کہ علم صنایع میں ایک مختصر رسالہ اردو زبان کا کہ درحقیقت اختراع و ایجاد ہے۔ جمع کیا جائے تو ہر آئینہ موجب فیض عام اور سبب فایدہ تمام کا ہوگا کیوں کہ ان دنوں ہندوستان میں رواج اردو کا بیشتر موجود اور فارسی مفقود ہے اور سب علموں کی کتابیں اس زبان میں عربی اور فارسی اور انگریزی سے تصنیف و تالیف ہو کر مفید عام ٹھہرائی جاتی اور مدرسوں دیسی اور سرکاری میں پڑھائی جاتی ہیں اور جن لوگوں کو فارسی عربی میں استعداد نہیں ہے وہ فیض پاتے اور آپس میں پڑھتے پڑھاتے ہیں لیکن اس علم صنائع میں کوئی کتاب کسی نے تالیف یا تصنیف نہیں کی اسی باعث عوام اور خواص اس سے بے بہرہ ہیں، پس جب کہ نثر و نظم میں ایسی زبان کا عام رواج ہے اور یہ علم عروس سخن کا زیور ہے تو بہر حال عروس کو زیور کی احتیاج ہے کس واسطے کہ سخن کو خواہ نثر اور نظم میں صنائع سے نسبت خاص اور صنائع کو سخن سے اختصاص ہے آخر کار بیچ سال ہزار و نو صد و بست و شش ہندی مطابق ہزار و دو ہشتاد و شش ہجری موافق سن ہزار ہشت صد و ہفتاد عیسوی کے کہ یہ قطعہ مخبر تاریخ اس کا ہے۔

قطعہ تعمیہ

پئے تاریخ ختم این رسالہ
بسال عیسوی دل در شمار است
بگویم از سر بہجت کہ بے صبرؔ
بنام ایزد عجب باغ و بہار است

۱۸۶۸ء

یہ مختصر رسالہ بہ ترتیب تین فصل کے اختتام کو پہنچایا اور اس کا نام ''بدیع البدایع'' رکھا۔ فصل پہلی، بیان تقسیم کلام میں، فصل دوسری صنایع لفظی کے بیان میں، فصل تیسری بدایع معنوی کے ذکر میں۔ واضح ہو کہ علم صنایع کو علم کلام سے خواہ نظم ہو خواہ نثر گریز نہیں ہے اس واسطے پہلی فصل میں بیان کرنا اقسام کلام کا ضرور و لازم آیا اور جو کہ اشعار مثال ہر ایک صنعت کے خاص مصنفہ راقم رسالہ کے ہیں اور یہ امر سبب نقص اور بے اعتباری کتاب کا ہوتا ناچار تبرکاً ایک ایک شعر ادستادان فارسی کا ہر صنعت کی مثال میں درج کیا لیکن مثالِ فارسی کے واسطے نظموں کی ضرورت نہ سمجھی گئی کس واسطے کہ وہ اکثر مشہور ہیں اور نیز اُس کے ایراد میں لحاظ طول ہو جانے اس مختصر کا تھا۔ اب ارباب سخن اور اصحاب فن سے دست بستہ اُمید ہے کہ جو کہیں غلطی پایں بہ مقتضائے عیب پوشی دامن اغماض میں چھپایں و بحکم و عما کدز خذ ماصغا کے معاف فرمایں کہ الانسان مرکبمن الخطا و انسیان آدمی سہو اور خطا سے خالی نہیں اور پڑھنے والوں سے یہ آرزو ہے کہ جب ان کو ان سے فایدہ ہو دعائے خیر سے راقم کو یاد کریں کہ بدلا سخن کا سخن ہو جائے۔ الٰہی یہ رسالہ مقبول اور پڑھنے والوں کو فیض حصول ہو۔

مخفی نہ رہے کہ روئے زمین کی کل زبانوں میں علم نثر اور نظم کا ہے چناں چہ زبان انگریزی میں شعر کو پویٹری کہتے ہیں اور وہ انواع صنائع سے مرتب ہوتی ہے اور اوزان ان کے مقرر ہیں۔ سنسکرت اور بھاکا زبانوں میں نثر کو ڈنڈا کار کہتے ہیں اور نظم انواع اقسام مثل دوہا[1]، چوپی[2]، سورٹھا[3]، ارل[4]، سوئیا[5]، کبت[6] وغیرہ کی ہیں اور قِعتیں بے شمار جن کو النکار بولتے ہیں اور علم عروض کو پُنگل کہتے ہیں کہ اس میں انواع اقسام اوزان کا بیان ہے اور وزن کو چند نام رکھتے ہیں۔ عربی میں یہی نثر و نظم جدا جدا ہیں اور نظم کو شعر کہتے ہیں۔ لغت میں معنیٰ شعر کلام موزوں اور مقفیٰ کے ہیں۔ علم صنائع جس کا یہ بیان ہے خاصہ عرب سے ہے اور عجمی متبع ان کے اسی واسطے نام صنعتوں کے بزبان عربی ہیں۔ فارسی میں بھی نثر و نظم ہیں لیکن زمانے قدیم میں ان کے قواعد و ضوابط و اوزان بطرز خاص تھے بعد تسلط عرب کے فارس میں زبان فارسی میں عربی مخلوط ہو گئی اور اہل ایران نے عربی کے وزنوں میں فارسی زبان کو ڈھال کر شعر کہنا شروع کیا اور رتبہ شعر کا عالم بالا پر پہنچایا۔ محمد شاہ کے زمانے میں بیچ ہندوستان کے نئی زبان اردو پیدا ہوئی۔ اردو لشکر بادشاہی کو بولتے ہیں یعنی زبان لشکر کی۔ سب سے پہلے ولؔی نام شاعر نے فارسی کے وزنوں میں اردو زبان کو کہ بہت نا فصیح تھی ڈھال کر شعر کہا اور غزل کا نام ریختہ قرار دیا۔ دلّی والوں نے روز بروز آراستگیٔ زبان پر کمر ہمّت کی

چست باندھ کر بول چال خاص و عام میں تمیز کرنی شروع کی، آخرکار صاف ہوتے ہوتے محاورات وزبان کے اب مرتبہ اس کا فصاحت اور بلاغت اور معنی اور محاورہ اور صنعت و لطافت اور گنجایش مضامین میں فارسی سے ہزار گونہ زیادہ بلند اور دل پسند ہو گیا اور دفاتر سرکاری میں رواج اس کا ہونے سے فارسی رہی سہی بھی ناپدید ہوگئی۔ خدا زیادہ ترقی اور شہرت اس کو بخشے۔

پہلی فصل:- بیانِ تقسیم کلام: جاننا چاہیے کہ کلام دو قسم ہے ایک نثر دوسرا نظم۔ جو نثر ہے وہ تین قسم ہے مرجز[1]، مسجع[2]، عاری[3]۔

مرجز : وہ ہے کہ وزن رکھے اور قافیہ نہ رکھے۔ جیسے فقرات مولف (فقرہ)
میرے مشفق مرے کرم فرما۔ تم کو ایزد ہمیشہ خوش رکھّے۔ بندگی و نیاز عجز کے بعد خاطر حق گزین پہ ظاہر ہو۔ شوق ملنے کا اس قدر ہے کہ جو۔ عمر بھر لکھئے تو نہ ہوئے تمام۔

مسجع : وہ ہے کہ قافیہ جس میں ہو اور وزن نہ ہو۔ جیسے فقرات مولف برخوردار دل بند و نور دیدہ سعادت مند فضل الٰہی میں محفوظ رہو۔ عمر و دولت زیادہ۔ جاہ و حشمت بے انداز ہو۔ خط تمہارا آیا۔ منہ سے چوما آنکھوں سے لگایا بار پڑھا۔ شوق دیدار بڑھا۔ پاس ہونے کے مژدہ سے مسرور ہوا۔ جو ایک تردد تھا یہ بھی دور ہوا۔ اب سرٹیفکیٹ اور عہدہ پاؤ۔ عمر بھر چین کرو۔ مزے اوڑاؤ۔ اور کیا لکھوں اس کے سوا۔ کہ مبارک ہو تم کو زیادہ دعا۔

عاری : وہ ہے کہ وہ دونوں سے عاری یعنی نہ قافیہ ہو نہ وزن۔ جیسے فقرات مولف رقعہ (عاری)

> ''برادر جان کے برابر سلامت۔ بعد دعوات مزید حیات و ترقیات صوری و معنوی و دینی و دینوی کے واضح ہو یہاں سب طرح خیریت ہے اور خیر و عافیت مزاج تمہاری جناب الٰہی سے چاہتا ہوں جب سے تم امرتسر کو گئے ہو خوشنودیِ مزاج اپنے سے مطلع نہیں کیا طبیعت متردد اور متفکر ہے چاہیے کہ فوراً پہنچتے ہی رقیمہ ہذا کے مژدۂ صحت اور عافیت مزاج اپنے سے مطلع اور آگاہ کرو، زیادہ دعا والسلام۔''

دوسری فصل:- جو نظم ہے تو دس قسم ہے: غزل[1]، قصیدہ[2]، تشبیب[3]، قطعہ[4]، رباعی[5]، فرد[6]، مثنوی[7]، ترجیع[8]، مسمط[9]، مستزاد[10]۔

غزل : لغت میں اس کے معنی دوستی حدیث کے ساتھ زبان کے ہے اور اصطلاح میں چند

بیت مقفیٰ اور موزوں کے ہیں۔ پہلی بیت میں کہ اُس کو مطلع کہتے ہیں۔ دونوں مصرعے قافیہ دار ہوں اور تخلص شاعر کا مقطع میں آئے کہ وہ بیت آخر سے مراد ہے اور زیادہ بارہ بیت سے نہ ہو کہ آگے قصیدہ شمار ہوتا ہے اور بعض حد غزل گیارہ بیت قرار دیتے ہیں اور زیادہ کو قصیدہ مانتے ہیں اور غزل میں دو یا تین مطلع ہوں تو مضایقہ نہیں۔ مثال غزل مولفؔ

گھبرائی سی کسی کی ستائی ہوئی سی ہے	اپنی طبیعت اب کہیں آئی ہوئی سی ہے
از خود یہ ہرگز اپنی نہیں سوزشِ جگر	یہ آگ تو کسی کی لگا ہوئی سی ہے
قاصد جو کہہ رہا ہے کہ بن آئی تیری بات	کچھ یہ تو بات اُس کی بنائی ہوئی سی ہے
بوٹا سا قد چھریرا ساتن چمپئی سا رنگ	بھولی سی صورت آنکھ لجائی ہوئی سی ہے
کسی فتنہ ور کے ہوگئے تم بس میں سچ کہو	انگیا تو عطر جس میں بسائی ہوئی سی ہے
نسبت ہمارے کیا دلِ نادان سے ہے اُسے	بلبل کی طرز نالہ اُڑائی ہوئی سی ہے
چھوڑے جفا سمجھ کے جفا جُو مجھے، اسے	یہ بات تو کسی کی جتائی ہوئی سی ہے
دستِ جنوں سے باقی ہے اک آستیں سو وہ	تیزابِ اشک تر کی جلائی ہوئی سی ہے
رہنے لگا جو مجھ سے غبار اس کے دل میں اب	یہ خاک تو صبا کی اُڑائی ہوئی سی ہے
بے صبؔر روتے ہیں پہ نکلتے نہیں ذرا	رقت کچھ ایسی دل میں سمائی ہوئی سی ہے

قصیدہ : لغت میں اس کے معنی بڑا مغز اور اصطلاح میں یہ بھی مانند غزل کے ہے لیکن فرق یہ ہے کہ بارہ بیت سے زیادہ ہو اور زیادہ کی حد عرب میں مقرر نہیں دوسرے یہ کہ جب مطلع ثانی یا ثالث لایا جائے تو پہلے شعر میں اس کا اشارہ کرے۔ چناں چہ قصیدہ مسمیٰ درۃ التاج مدیحہ ملکہ معظّمہ کے چند اشعار انتخاب کر کے مثال میں تحریر ہوتے ہیں۔ تمام قصیدہ لکھنے میں طوالت اس مختصر کا ہوا۔

قصیدہ

کیوں جبیں سے قد کا رتبہ ہو نہ کو	لوح سے پیچھے ہوا پیدا قلم
ہوگئے لوح و قلم موجود جب	ہوگئے اسرار سرتا سر رقم
آشکارہ ہو کر اشکالِ حروف	بن گئے الفاظ مل مل کر بہم
ہوگیا لفظوں میں معنی کا ظہور	جسم حادث میں گئی روح قدم

اپنی اپنی سر نوشتوں سے ہوا　　کوئی اعلیٰ ادنیٰ بیش و کم
اپنے اپنے کھاتے ہیں قسمت کا رزق　　غم کو دل اور دل کا خوں کھاتا ہے غم
مطلع خور بھی نہ ثانی جس کا ہو　　مطلع ثانی وہ کرتا ہوں رقم
ایک کو کرتی ہے دو اور دو چار　　ایک دم میں اس کی شمشیر دو دم
ملک عدم اس کے میں شیر و گرگ کا　　کر گیا ہے آہوئے آرام رم
اس کے گنجینوں کے آگے رکھتا ہے　　گنج کاروں قیمت دام درم
فرض ہے طوفِ حریم خسروع　　منع ہے اس دور میں طوفِ حرم
دہر میں جب تک ہے ہند اور ہند میں　　دیر ہیں اور دیر میں جب تک صنم
عمر و دولت بیش و کم ہو حرص و آز　　دہر میں جب تک ہے نام بیش و کم
نازکی بدخواہ کی ہو لاغری　　فربہی ہو جسم دشمن کی ورم
ذرۃ التاج اس کا رکھ بے صبرؔ نام　　کیوں کہ اس میں مدح خسرو ہے رقم

تشبیب : لغت میں معنی اس کے ذکر ایام شباب اور وصف معشوق و بیان حال عاشق کا ہے اور اصطلاح میں ابیات اوایل قصیدہ کو تمہید مقصود ہوتی ہے تشبیب کہتے ہیں اور اس سے گریز کر کے انتقال بہ مدح ممدوح کریں اور جو تشبیب میں ذکر عشق ہو تو عشقیہ اور شکایت زمانہ ہو تو حالیہ اور تعریف مصنف ہو تو فخریہ اور ذکر بہار ہو تو بہاریہ و علی ہذا القیاس کہتے ہیں اور قصیدہ بے تشبیب کو مجدو بولتے ہیں جیسا قصیدہ تعریف ہندوستان کا اور گریز کو ''مقتضب'' کہیں۔ مثال تشبیب عشقیہ قصیدہ راقم مسمیٰ ''بہ زرفشان''

تشبیب-قصیدہ ''زرفشاں''

زبس بے فکر مضامینِ خال جاناں کا　　ہر ایک نقطہ ہے مضمون ہمارے دیواں کا
خطِ غلامی خطِ جنّ و انس نے لکھا　　ہر ایک مُور کو منصب ہے، یاں سلیماں کا
جو باندھیے دہنِ تنگِ یار کا مضمون　　تو کیجیے قافیہ باتوں میں تنگ سحباں کا
دہن کو میرے صلے میں وہ موتیوں سے بھرے　　بھروں، میں دم اسی کی ثناء ونداں کا
جو حرف زن لب غبغب کے وصف میں ہو قلم　　تو حوض صفحۂ دیواں ہو چشمہ حیواں کا
ہزار فتنۂ خفتۂ جہاں میں ہوں بیدار　　بیان دور ہو کر اس کی چشم فتاں کا
نہیں نہیں یہی مَیں نے غلط کہا بے صبرؔ　　کہاں ہے فتنہ کہ ہے دور شاہ دوراں کا

قطعہ : لغت میں ٹکڑا کسی چیز کا معنی اس کے ہیں اور اصطلاح میں ابیات چند متحد بہ وزن و قافیہ ہیں لیکن مطلع نہیں۔

قطعہ

جب مرے گھر کو لگا چلنے بدل کر وہ لباس
دیکھتے ہی آئینہ ایسا وہ ششدر ہوگیا
ہل سکا نہ چل سکا حیران اپنا رہ کے آپ
حیف اُس کو آئینہ سدّ سکندر ہوگیا

♦♦♦

گر سامنے آنکھ کے نہیں وہ بے صبر شکایت اس کی گیا ہے
وہ تو مری آنکھ کی ہے پتلی گر پیشِ نظر نہیں بجا ہے

رباعی : دو بیت متفق بہ وزن و قافیہ ہیں اور بحر ہزج سے بست و چار وزن استخراج کر کے اس کے واسطے مخصوص کیے گئے ہیں۔ قافیہ خواہ چاروں مصرعہ میں ہو خواہ تیسرے مصرعے میں نہ ہو غرض تیسرے مصرعے کو قافیہ شرط نہیں جیسا راقم کہے۔

رباعی

اس چشم نے طور یہ نکالا کافر
دیکھا جس کو کرہی ڈالا کافر
کانوں جو مثل سنی وہ آنکھوں دیکھی
جادو برحق ہے کرنے والا کافر

♦♦♦

وحشت تہ خاک بھی ہماری نہ گئی
فریاد فغاں و آہ و زاری نہ گئی
سیماب کو مرکر تو قرار آتا ہے
ہم مرگئے پھر بھی بے قراری نہ گئی

♦♦♦

جب صبح ہوئی تو یاد قامت آئی
گویا بے صبؔر اک قیامت آئی
آخر ہوا دن تو زلف کا دھیان بندھا
اب شام آئی اور یہ شامت آئی

◆◆◆

گھر آئی گھٹا یہ ناگہانی کیسی
تیار ہے برسانے کو پانی کیسی
یاں مئے ہے نہ جام ہے نہ ساقی بےصبؔر
آئی یہ بلائے آسمانی کیسی

◆◆◆

ائے اے کہ ایک ہم اور کام بہت
درپیش ہے راہِ عدم اور کام بہت
رہنا ہے یہاں دم کے دم اور کام بہت
افسوس ہے زندگی کم اور کام بہت

فرد : ایک بیت ہے خواہ قافیہ دونوں مصرعوں میں ہو خواہ مصرعہ اخیر میں۔ مثال راقم

بیت

منجم نے مجھ کو کہا وقتِ طفلی یہ لڑکا جوانی میں بے صبؔر ہوگا

غم رہو کھاتے، لہو پیتے رہو حضرتِ دل واہ وا جیتے رہو

مثنوی : ابیات متفرق بیک وزن ہیں کہ ہر ایک ان میں سے قافیہ خاص دونوں مصرعوں میں رکھتے ہو اور سات وزن اس کے واسطے مقرر و مشہور ہیں اور نام اس کا مزدوج بھی ہے چناں چہ سات حکایت ساتوں وزن ہر وزن میں درج ہوتے ہیں۔

ا۔ پہلا وزن بحر سریع مطوی موقوف مسدس ہے۔
مفتعلن مفتعلن فاعلات

حکایت :

تھا کسی مرشد کا مرید اک جوان — پیر نے ایک روز پئے امتحان
بکری کا بچّہ اسے دے کر کہا — ایسی جگہ ذبح اسے کر کے لا
کوئی نہ اس کام کو دیکھے جہاں — دیکھے جہاں کوئی نہ کر ذبح واں
سُن کے روانہ ہوا وہ ہوش مند — لیکے چھری اور بچّہ گوسپند
صبح سے پھرتا رہا تا شام وہ — آیا پھر انجام کو ناکام وہ
پیر سے بولا کہ نہیں ہے کہیں — ایسی جگہ کوئی جہاں ہو نہیں
شہر و بیاباں میں جدھر میں گیا — حاضر و ناظر نظر آیا خُدا
پیر نے خوش ہو کے کہا آفرین — دی تجھے اللہ نے عین الیقین
سچ ہے کہ بیرون و درون سے خُدا — خالی خُدا سے نہیں اک ذرّہ جا

جس کو ہوا دیدۂ بینا نصیب
ہے وہی بے صبر خُدا کے قریب

۲۔ دوسرے وزن مزاخفات ہزج اخرب مقبوض مسدس ہے
مفعول مفاعلن مفاعیل

حکایت :

اِک شہر میں اِک فقیر کامل — رہتا تھا برنگ عشق در دل
گنجینۂ نور تھا دل اس کا — ہر زور سے دور تھا دل اس کا
تھا عشق زبسکہ اس کا پیشہ — دستور یہ اس کا تھا ہمیشہ
جو رو برو آتا اس کے محبوب — یا طفل حسین و یا زن خوب
رُخسار پر اس کے بے تکلف — بوسہ دیتا بصد تالف
اک دن اک بلہوس نے یہ طور — دیکھ اور ہو کے خوش کیا غور
البتہ فقیری ہے عجب شئے — بے نیش کے نوش کا مزا ہے
ہے عیش بھی اس میں اور عبادت — ہے دونوں جہان میں سعادت
اس پیر کا گر مرید میں ہوں — لطف اپنی جوانی کا اٹھاؤں
یہ سوچ کے وہ بصد تمنّا — جاتے ہی ہوا مرید اس کا
یکجا ہوے علم و جہل دو ضد — مرشد کو ملا مرید مرشد

نے ایک قدم چلا وہ تھم کر — مرشد کے رکھا قدم قدم پر
سنگِ دل بت سے کھاکے ٹھوکر — لنگ رہِ عشق بیٹھا ہو کر
دل میں مرے مثل یہ پھرے ہے — جو دوڑ چلے اوگھٹ گرے ہے
یعنی اک روز اک پریوش — آئی نظر اس کو وہ ہو خوش
دوڑا اور مثلِ طفلِ معصوم — رخسارۂ نازنیں لیا چوم
یہ دیکھ کے تھے جو حاضر اس دم — درپے ہوئے اس کے ہو کے برہم
مل کر لگے خوب اس کو گھڑنے — گھونسے لات اور طمانچے پڑنے
پاپوش کا ٹوٹا ایک جوڑا — اک بال نہ سر پہ اس کے چھوڑا
جب خوب ٹھکے تو آپ بولے — اچھے پڑے سر منڈاتے اولے
پٹ کٹ کے گیا بخدمت پیر — کی ساری سرگذشت تقریر
مرشد نے بباعثِ بزرگی — خاطر کی اس کی اور تسلی
اور ہاتھ میں اس کا ہاتھ لے کر — لے آیا لُہار کی دُکاں پر
تھا آگ میں لال ایک سنداں — سو بار اسے چوم کر کہا ہاں
تو بھی چوم ایک بار فرزند — لے لینی اگر ہے لذت قند
یہ دیکھ کے گر پڑا وہ ڈر کر — اور رہ گئے خاص و عام ششدر
سچ ہے چومے جو گرم سنداں — چومے وہ بتوں کے لعل خنداں
دُکھ میں جس دُکھ نہ سُکھ میں ہو سُکھ — الفت کے روا ہیں اس کو سُکھ دُکھ

بے صبر ہے عشق سخت مشکل
آسان کہے تو ہے وہ جاہل

۳۔ وزن تیسرا مزاحفات متقارب متصور مثمن سے ہے
فعولن فعولن فعولن فعول

حکایت :

سب اہلِ شریعت نے جب جمع ہو — انا الحق کے کہنے پہ منصور کو
کیا دار پر کھینچ کر سنگسار — تو چاروں طرف سے ہوئی مارمار
برسنے لگا اس پہ پتھر کا ابر — ولے آہ کرتا نہ تھا وہ ہزبر

نہ لگتی تھی چوٹ اور نہ ہوتا تھا درد وہ تھا خوں میں سرخ اور تھا رنگ زرد
ہوا وارد اس وقت شبلی بھی واں کھڑا ہو رہا ایک سو وہ جواں
کہا اس کو جب مومنوں نے پکار کہ تو کیوں نہیں مارتا تو بھی مار
اگر اب نہ مارے گا تو اس کے سنگ تو ہوگا یہی دم میں تیرا بھی رنگ
یہ سُن کر دیا مار ہوکر اُداس چنبیلی کا پھول اس کے تھا جو کہ پاس
لگی پھول کی اس قدر سخت چوٹ کہ منصور بس ہوگیا لوٹ لوٹ
یہ دیکھا تو حیران رہ کر وہ سب لگے کہنے منصور سے ہے عجب
کیا پتھروں کا نہ تو نے خیال اور ایک پھول سے یہ ہوا تیرا حال
کہا کیا ہی خوب اس نے اس دم سخن کہ ضرب جاں ہے وہ تھی ضرب تن
خطر جان کو ضرب تن سے نہیں مکان خود ہے بہر پناہ مکیں
وہ تھے سنگ کوراں یہ بینا کا پھول نہ کیوں رد ہوں وہ اور نہ کیوں یہ قبول

جو بے صبر ہو واقفِ جسم و جان
وہی اس کہانی کا سمجھے بیان

۴۔ وزن چوتھا رمل مسدس مقصور ہے۔

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

حکایت:

ایک تکیہ تھا اور اس میں دو فقیر ایک تھا ان میں مرید اور ایک پیر
پیر کرتا طاعت پروردگار کام کھیتی کا مرید حق گزار
تا کہ بہرِ قوت ہو پیدا اناج مانگنے کی ہو نہ ہر روز احتیاج
کیوں کہ ہے نزدیک ارباب کمال سارے کاموں سے بُرا کرنا سوال
اتفاقاً تھا نہ واں پیر ایک روز تھا اکیلا وہ مریدِ نیک روز
ایک گلہ بکریوں کا آکے واں کھیت میں اس کے لگا کرنے زیاں
دیکھ کر کھیت اپنے کو ہوتا خراب لیکے سونٹا وہاں مرید آیا شتاب
ہر طرف جو پھرتیاں تھیں گوسپند ایک اوپر جاکے پہنچایا گزند
آگیا اتنے میں پیرِ پختہ کار اور کہا چلا کے بیٹا مار مار

یہ صدا سُن کر مریدِ رمزداں   پھینک کر سونٹا ہوا وہاں سے رواں

اک مسافر تکیہ میں اس وقت تھا   از رہِ طعن اس سے یوں کہنے لگا

اے میاں تو کس طرح کا ہے فقیر   کام کرتا ہے خلاف حکمِ پیر

اس نے فرمایا تھا تجھ کو مار مار   برخلاف اس کے تو ہو آیا فرار

ہنس کے وہ کہنے لگا اے راہگیر   تو ہی خود سمجھا نہیں ہے رمز پیر

پیر کا یہ مجھ سے کہنا مار مار   کر نہ بہرِ گوسفندان اعتبار

بلکہ یوں کہتا تھا مجھ سے وہ بزرگ   مارا سے تیرے غضب کا ہے جو گرگ

گرگِ نفسِ شوم کو پہنچا گزند   تا گزند اس سے نہ پاوے گوسپند

سچ ہے یہ بے صبرؔ قولِ دلفروز

سمجھے ہے عاشق ہی عاشق کے رموز

۵۔ وزن پانچواں مزاحفات بحرِ خفیف مقطوع مسدس ہے۔

فاعلاتن مفاعلن فعلن

حکایت :

ایک مفلس تھا شہر میں مشہور   تھا وہ اک مالدار کا مزدور

کارِ گل اس کے گھر کیا کرتا   زندگانی بسر کیا کرتا

ایک دن اتفاقاً اس کو وہیں   پایا مٹی میں ایک لال کہیں

سنگِ خوش رنگ جو خیال کیا   جیب میں اپنی اس کو ڈال لیا

ہوگیا پھر وہ جب کہ نابینا   ہوگیا مرنے سے بدتر جینا

جاکے پوچھا طبیب سے درماں   دیکھ کر کہنے وہ لگا کہ میاں

صرف تیری دوا ہے لال یمن   اس کو دیکھے تو آنکھ ہو روشن

جاکے پھر جوہری سے اس نے کہا   کہ مجھ لال دیجیے دکھلا

میری بینائی کی وہی ہے دوا   رحم مجھ پر کرو برائے خدا

جوہری کو دلے نہ رحم آیا   لال بیچارے کو نہ دکھلایا

آیا مایوس ہوکے اپنے گھر   بھوکے مرنے لگے زن اور پسر

ایک مدت تلک رہا وہ کور   رہا کھانے کمانے سے معذور

لال جو اس کی جیب میں وہ تھا — اس کی عورت نے ایک دن دیکھا
لیکے اس نے جو دھویا پانی سے — رہی حیران اور دکھایا اسے
کہ تیری جیب میں جو پتھر ہے — کیا مجلّے و کیا منوّر ہے
پڑتے ہی اس پہ چشمِ نابینا — طرفۃ العین میں ہوئی بینا
ہے یہی لال اس نے جب جانا — پاس تھا اور نہ میں نے پہچانا
الغرض ہوگیا فقیر غنی — کھائی ہیرے کی مفلسی نے کئی
لال ہے تیرے پاس اے قلاش — جابجا کرتا ہے عبث تو تلاش

پاس بےصبؔر ہے دُر پُر نور
جب تلک جانتا نہیں ہے کور

٦۔ وزن چھٹا ہزج مسدس ہے۔
مفاعیلن مفاعیلن فعولن

حکایت :

کہا ایک شخص نے جاکر کہ مجنوں — تجھے چل تیری لیلیٰ سے ملادوں
کہا لیلیٰ تو میری بر میں یاں ہے — ملانے تو لیے جاتا کہاں ہے
کہا اس شخص نے دیوانہ ہے تو — اکیلا ساکن و ویرانہ ہے تو
یہاں لیلیٰ کہاں ہے تیری بر میں — اگر ہے کیوں نہیں آتی نظر میں
کہا مجنوں نے تو شاید کہ ہے کور — وگرنہ دیدہ و دانستہ ہے زور
کہا اس نے مگر احول ہے تو جو — نظر اک اپنے تن کے آتے ہیں دو
کہا مجنوں نے میں احول نہیں ہوں — جُدا لیلیٰ سے میں اک پل نہیں ہوں
اگر لیلیٰ نہ ہو میری بغل میں — تو مر جاؤں تڑپ کر ایک پل میں
اگر بر میں نہ ہو وہ یار جانی — تو ہو کس طرح میری زندگانی
بدن ہے قیس و لیلیٰ اس میں ہے جان — کہیں بے جان جی سکتا ہے انساں

میاں بےصبؔر تھا عاشق وہ صادق
جو عاشق ہو تو ہو ایسا ہی عاشق

۷۔ وزن ساتواں مزاحفات رمل مجنون محذوف مسدس ہے۔

فاعلاتن فعلاتن فعلن

حکایت :

گلّہ باں گو کہ وہ تھا مرد دلیر — مل گیا دشت میں اک بچۂ شیر
اس نے گلّہ میں لیا اس کو ملا — اور لیا دودھ پلا اس کو ہلا
جانتا بکری کو مادر وہ اسیر — اور بچّوں کی طرح پیتا شیر
جانتا آپ کو بکری وہ ہزبر — بکریوں کی تھی جدائی اسے جبر
ایک دن پیتا تھا پانی لب آب — دیکھ عکس اپنا ہوا وہ بیتاب
کیونکہ شکل اپنی نظر آئی اور — بکریوں کا سا نظر آیا نہ طور
بُز نہیں ہوں میں ہوا یہ تو یقیں — لیک پھر کون ہوں جانا یہ نہیں
اس لیے رہتا تھا حیرت اندوز — کہ کئی روز کے پیچھے اک روز
اتفاقاً نظر آیا اک شیر — بکریاں بھاگی اور اس نے منہ پھیر
اس کو دیکھا تو اُسے ہوش آیا — عکس سے اپنے مقابل پایا
جانا جب اُس نے کہ بز ہوں میں نہ میش — کم نہیں کم نہیں میں بیش ہوں بیش
بُز بزدل نہیں ہوں شیر دلیر — بُز نہیں بُز نہیں میں شیر ہوں شیر
الغرض کرکے اک آواز بلند — جاملا شیر سے بے خوف و گزند
اُٹھ گیا بیچ سے جب پردۂ راز — بُز ہوا شیر کبوتر ہوا باز

تو بھی بے صبر نظر کر سوی ذات
کہ تو ہے ذات نہیں ہے تو صفات

ترجیع : فارسی میں اس کو برگردانیدن اور ھندی میں پھیرنا کہتے ہیں اور اصطلاح میں یہ ابیات مانند غزل کہ پانچ یا سات بیت یا زیادہ ہوں جو خانہ خانہ کرکے اور قافیہ اور مطلع ہر خانہ کا مختلف ہو اور بعد ہر خانہ کے ایک بیت نئی لائے کہ وہ قافیہ خاص رکھتی ہو اس کی دو قسمیں ہیں۔

پہلی قسم یہ ہے کہ جو بیت کہ قافیہ خاص رکھتی ہو وہ ساتھ بیت ماقبل سے اپنے معنی میں ربط رکھتی ہو اور تکرار ہر خانے کے بعد ہو تو اس کو ترجیع بند کہتے ہیں جیسا کہ ترجیع

بندراقم کے دو بند بطور مثال درج یہاں ہوئے ہیں۔

ترجیع بند

گیسو زنجیر ہے بلا کی — ابرو شمشیر ہے قضا کی
اے وعدہ خلاف کر نہ وعدہ — اُمید نہ تجھ سے ہے وفا کی
قاتل ترے ناوک نظر سے — ہے بے قدری کس قدر قضا کی
آپ کرتا ہے درد آزمایش — میرے دل درد آزما کی
گر ظلم و ستم یہی ہیں تیرے — تو ہم کو بھی ہے قسم خدا کی

◆◆◆

الفت سے تری حذر کریں گے — تجھ سے قطع نظر کریں گے
کب اُٹھتے ہیں ہم تو سو ستم کر — بیٹھے ترے در پہ اب تو جم کر
خط لکھنا ہی گر خطا ہے میری — تو ہاتھوں کو میرے تو قلم کر
شاید وہ مسیح دم چلا آئے — ای مرگ تامل ایک دم کر
امید وصال چھوڑ مجھ کو — کھوٹی نہ مری رہِ عدم کر
آتا ہے تو آو گر نہ ظالم — قطع امید وصل بہم کر

دوسری قسم یہ ہے کہ ہر خانہ کی بیت بند کے بقافیہ علاحدہ علاحدہ آئے اور بیت ماقبل اپنے سے ربط نہ رکھتی ہو تو اس کو ترکیب بند کہتے ہیں اور وہ بھی دو قسم کی ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ ہر خانہ کے ابیات کے سب قافیہ مختلف ہوں جیسا کہ اس ترکیب بند میں ہیں۔

ترکیب بند

رسم سیکھی یہ کہاں ہو جانا — لے کے دل دشمنِ جاں ہو جانا
ہے یہ پہچان کی میری پہچان — دیکھ کر مجھ کو نہاں ہو جانا
عشق میں کیا ہے عجب خبط جنوں — وہم سودا خفقان ہو جانا
گر یہ سے راز نہاں کا میرے — قہر ہے تجھ پہ عیاں ہو جانا
سخت جاں ایک ہمیں بھی جانو — تم اگر سخت کماں ہو جانا

◆◆◆

دل دیا تم کو خطا کی ہم نے — آپ اپنے پہ جفا کی ہم نے
ترک الفت تری کرنے کا نہیں — ستموں سے ترے ڈرنے کا نہیں
گر دوا آب جفا ہو قطرہ — حلق سے میرے اترنے کا نہیں
غم کے کھانے کا رہے گر پرہیز — مرضِ عشق ابھرنے کا نہیں
سوبلا کیوں نہ مرے آگے آئیں — پانو پیچھے تو میں دھرنے کا نہیں
نہ بھروں آہ تری مجلس میں — اس کی حامی تو میں بھرنے کا نہیں

جب کیا عشق تو کیا ہے ڈرنا
آخر اک روز ہے مجھ کو مرنا

دوسری قسم یہ ہے کہ ابیات بند ہر خانہ کے ایک قافیہ ہوں، اس طرح کہ جو سب بندوں کو جمع کریں تو ایک خانہ پورا ہو جائے، مثال۔ ترکیب بند رام یہ ہے۔

ترکیب بند

تو نے لیتے ہی دل جُدائی کی — واہ کیا خوب دلربائی کی
ناتوانی صد آفریں تو نے — خوب ہی زور آزمائی کی
نہ رہے بال و پر تو مجھ کو امید — نہ رہی ہائے اب رہائی کی
دیکھیو بے وفا نہ رہ جاوے — ہوس آیندہ بے وفائی کی
آ جدا کر بدن سے سر بخدا — نہیں طاقت مجھ جدائی کی

◆◆◆

لے کے دل تو نے کی دل آزادی — کی ادا خوب شرطِ دلداری
تشنہ گر تو مرے لہو کا ہے — زخم کھانے کا دل بھی بھوکا ہے
جب سے کھایا ہے تو نے غیر کا پان — تیرے عاشق نے خون تھوکا ہے
پر پروانۂ نظر جل جائے — شمع رو تو وہ اک بھبھوکا ہے
مول خنجر کو لے نہ پھر کہ یہ — پھیرنے والا مرے گلوکا ہے
میرے زخم جگر میں اے بے صبر — کام مرہم کا نے رفو کا ہے

وہ دل افگار کیا جئے جس کے
زخمِ تیرِ نظر لگے کاری

اس رسالہ کی یہاں تک ہم نے وہی نثر لکھی جو بال مکند بے صبر نے لکھی تھی صرف اس میں املا کے جزئیات کو جدید اُردو نقل کیا۔ بال مکند بے صبر کی نثر میں جو ڈیڑھ سو سال سے زیادہ قدیم ہے، رواتی اور سلاست اس لیے بھی نہیں کہ وہ جملوں کی ساخت کی طرف توجہ نہیں کرتے، چناں چہ تعقید کے علاوہ مطالب کے سمجھنے اور سمجھانے میں مشکلات ہوتی ہیں اگر چہ یہ بات ان کی دوسری نثری تصانیف میں نہیں جیسے ''گلستانِ ہند'' کو جو راقم نے مرتب کیا ہے وہ صاف اور سلیس اُردو میں ہے۔ ہم یہاں سے رسالہ ''بدیع البدایع'' کے قدیم طرز کے جملوں کو جدید آسان سلیس وستھری اُردو میں پیش کرتے ہیں۔ ان حصّوں کو پیش کرنے کا حاصل یہ بھی ہے کہ بے صبر کا زیادہ سے زیادہ کلام پیش ہو سکتے۔

مسمط : لغت میں موتیوں کو ڈورے میں پرونے کو مسمط کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ نظم ہے جس میں چند ہم وزن اور ہم قافیہ مصرعوں کے بعد سب سے آخر میں ایک مصرعہ آئے جو خاص قافیہ رکھتا ہو جس پر شعر کی بنیاد ہو۔ اس کی سات قسم ہیں۔ مربع[۱]، مخمس[۲]، مسدس[۳]، مسبّع[۴]، مثمن[۵]، متسع[۶]، مثلث[۷] مسمط کی قسم نہیں لیکن یہ ریختہ گویوں کی ایجاد ہے جیسا کہ راقم رسالہ کہتا ہے۔

مثلث

درقتلِ ماچہ شوخ خود آرا بہانہ ساخت
مارہ بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
خود سوے ماندید و حیارا بہانہ ساخت

◆◆◆

مکار ہے وہ خوب اسے جانتے ہیں ہم
دستی بدوش غیر نہاد از رہِ کرم
مارا چودید لغزشِ پارا بہانہ ساخت

◆◆◆

ڈھب دید کا لگا نہ کہیں جب کہ زینہار
رفتم بمسجدے کہ بہ بینم جمالِ یار
دستے بروکشید و دعارا بہانہ ساخت

◆◆◆

ثابت تھا اس پہ قتل کا دعویٰ کہ بے گمان
آلودہ بود پنجہ اش ازخونِ عاشقان
این طرفہ مکربیں کہ حنارا بہانہ ساخت

◆◆◆

بے صبؔر اس میں شک ہے نہ کچھ اور نہ کچھ گماں
زاہد نداشت تابِ جمال پری رخاں
کنجے گرفت و ترس خدارا بہانہ ساخت

مربع : وہ نظم ہے جس میں چار مصرعے ہوں اور چوتھے مصرعے کا قافیہ خاص ہو۔ مثال یہاں دی جاتی ہے۔

مربع

اُمنڈ کے چاروں طرف ابر بے شمار آیا — گئے خزاں کے دن اور موسمِ بہار آیا
نیا درختوں میں برگ آیا اور بار آیا — شراب دے مجھے ساقی کہ آ گیا ساون

◆◆◆

شراب پینا ہے ایسے میں فرض اے بے صبؔر — اگر نہ شیخ پئے تو پلا اُسے بھی بہ جبر
کہ ہے یہ برق یہ ہے رعد یہ ہوا یہ ابر — یہ گل یہ سبزہ آبِ رواں ہے اور یہ چمن

مخمس : اس نظم میں پانچ مصرعے ہوتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر راقم کے دو بند پہلے جو حافظؔ کی غزل پر تضمین کیے گئے پیش کرتے ہیں۔

مخمس

جہاں میں ہمیں آئے ہیں کیا برائے فراق
کہ شکلِ وصل نہ دیکھی کبھی سوائے فراق
دریغ فرقت و افسوس ہجر دہائے فراق
کسے مباد چومن خستہ مبتلائے فراق
کہ عمرِ من ہمہ بگذشت در بلائے فراق

◆◆◆

فراق نے یہ مرا کردیا ہے ناک میں دم
کہ مر بھی جائے اگر وہ تو ہوں نہ میں خرم
ولے جو دسترس انتقام ہو تو صنم
فراق را بفراق تو مبتلا سازم
چناں کہ خون بچکانم زدیدہ ہائے فراق

◆◆◆

یہی آہیں ہیں تو اک روز میں جل جاؤں گا
راکھ ہو جاؤں گا اور خاک میں مل جاؤں گا
جان سے اپنی اگر ہے یہ خلل جاؤں گا
مرضِ عشق سے گر اب کے سنبھل جاؤں گا
تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا

◆◆◆

جو اذیت میں نے پائی مرے مشکل کشاؑ
سو تمہیں سب کہہ سنائی یا مرے مشکل کشاؑ
کیجیے حاجت روائی یا مرے مشکل کشاؑ
قیدِ غم سے دو رہائی یا مرے مشکل کشاؑ
کیجیے مشکل کشائی یا مرے مشکل کشاؑ

یہی پانچواں مصرعہ ہر بند کے بعد اسی طرح لکھا جائے گا۔

مسدس : یہ چھے مصرعوں کا ہوتا ہے۔ مثال جرات کی غزل پر راقم کے مسدس کا بند دیکھیے۔

مسدس

مدّت سے شب وصل کے ہونے کی خبر تھی   ہر شام سے تا صبح نظر جانب در تھی
سو آج وہ شب رشک شب قدر مگر تھی   لیکن نہیں معلوم گھڑی تھی کہ پہر تھی
کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شب وصل کدھر تھی   ٹک زلف سے رخ پر جو نظر کی تو سحر تھی

◆◆◆

جب سے یہ سنا تھا کہ وہ ہیں عازم پنجاب
تھا آہ اسی روز سے ترک اپنا خور و خواب

بیتابی سے لوٹوں تھا پڑا صورت سیماب
تھا دیدۂ گریاں سے رواں اشک کا سیلاب
کیا وقت وداع صنم نہ اک دل ہی تھا بیتاب
سینہ میں مرے جان بھی سرگرم سفر تھی

مسدس میں بھی مخمس کی طرح چار مصرعوں کے بعد ایک بیت جو خاص قافیے کے ساتھ آتی ہے۔

ہُزبر دشت شجاعت نہنگ بحر سخا
گلِ ریاضِ کرم سروِ جوی بار وفا
شہؐ سریر ولایت فقیرِ دلق رضا
زمینِ دین فلک داد یاعلیؑ مولا
جز آستانِ تو ام در جہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں درحوالہ راہی نیست

مسبّع : اس میں سات مصرعے ہوتے ہیں۔راقم کے مسبّع کی مثال یہ ہے۔

فغاں ہے آہ ہے نالہ ہے شور و غل و غوغا ہے
جنون ہے خبط ہے وحشت ہے ہول دل ہے سودا ہے
طپش ہے دردِ دل ہے درد سر ہے درد اعضا ہے
قلق ہے بے خودی ہے وہم ہے غفلت ہے سکتا ہے
تعب ہے رنج ہے ماتم ہے غم ہے اور غصّا ہے
مصیبت ہے اذّیت ہے ستم ہے دُکھ ہے ایذا ہے
خدا محفوظ رکھے عشق سے قہرالٰہی ہے

◆◆◆

پریشانی ہے حیرانی ہے بیزاری ہے اور زاری
پشیمانی ہے بدنامی ہے رسوائی ہے اور خواری
یہ درد بے دَوا ہے بے معالج ہے یہ بیماری
بمشکل اس میں ہے مرنا بھی جو جینا بدشواری
خرابی اضطرابی اور بے خوابی و بیداری

جہاں ہو جس سے ناحق دشمنِ جاں ہے وہ کیا باری
غضب ہے قہر ہے آفت ہے شامت ہے تباہی ہے

مثمن : اس نظم میں آٹھ مصرعے ہوتے ہیں۔مولف کی مثال یہ ہے۔

ابر برسنے لگا پھول گیا لالہ زار
بوکی ہوا نے ردئے خوب اُگائے شرار
سنبل تر پر ہوئی بادِصبا مشکبار
مہکی بنفشے کی بو ہوگیا گلشن تتار
آ گئی فصل بہار کھل گئے گل بے شمار
ایک سے لالہ ہے سو سو سے ہزارا ہزار
نیرِاعظم ہوا دلوں میں رونق فزا
آیا بسنت اور ہوئی معتدل اچھی ہوا
پھول کی سرسوں کا کھیت تختۂ زریں ہوا
ہاتھ پر اپنے بسنت سرسوں جمانے لگا
نکلے جوانان باغ سج کے بسنتی قبا
پھول کہیں زعفران اور کہیں چمپا کھلا
کھل کے گل اشرفی بسکہ زرافشاں ہوا
ہوگئے سارے نہال گویا کہ زرے نہال

متسع : اس نظم میں نو (۹) مصرعے ہوتے ہیں۔نویں مصرعے کا قافیہ خاص ہوتا ہے۔جیسا کہ مولف کی مثال سے ظاہر ہے۔

متسع

گھٹا ہو، رعد ہو، بجلی ہو، تاریکی ہو، باران ہو
ہوا ہو، سردی ہو، اور سبز دامانِ بیاباں ہو
پپّیا کوئل اور طاؤس مصروف خوش الحاں ہو
رنگیلا بنگلہ ہو، کوئی اور صحنِ گلستاں ہو
بچھا ہو، فرش روشن شمع ہو، اور عود سوزاں ہو
کھنچا رنگین مکلّف اک چھپرکھٹ بھی پڑا واں ہو
گزک ہو، جام ہو، مینا ہو دور مے پرستاں ہو
اور اپنی بر میں وہ غارتگر دل آفت جاں ہو
تو پھر میں بھی کہوں اے ابر ہاں دن رات برسا کر

◆◆◆

بغل میں اپنے دلبر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
پیاپے دورِ ساغر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو

وہ کافر زیبِ بستر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
ہمارا بخت یاور ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
کنار و بوس شب بھر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
مرادِ دل میسّر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
ملاقات آج ہو پر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
اگر یوں ہو تو بہتر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
یہ سب سامان تو میرے لیے یارب مہیّا کر

مُعشّر : یہ نظم دس مصرعوں کی ہوتی ہے جیسا کہ مولف کی ذیل کی نظم سے ظاہر ہے۔

اگر میں جانتا دل دیکے دُکھ پانا بھی ہوتا ہے
تڑپنا تلملانا گُھٹنا گھبرانا بھی ہوتا ہے
لہو پینا جگر کا لختِ دل کھانا بھی ہوتا ہے
اُٹھانا زد پہ زد اور غش پہ غش آنا بھی ہوتا ہے
کہانا باولا سودائی دیوانہ بھی ہوتا ہے
بنا حق دشمن جان اپنا بیگانہ بھی ہوتا ہے
مچانا شور رونا آہ بھر لانا بھی ہوتا ہے
سُلگنا چلنا پھُکنا خاک ہو جانا بھی ہوتا ہے
پشیماں ہونا نادم ہونا پچتانا بھی ہوتا ہے
تو ہرگز دل نہ دیتا اور نہ ایسا خوار ہوتا میں

◆◆◆

نہ جاں بر جس سے ہو کوئی وہ بیماری ہے اور میں ہوں
نہیں ہے چارہ گر اب سخت ناچاری ہے اور میں ہوں
دنوں بیتابی اور راتوں کو بیداری ہے اور میں ہوں
فغاں ہے آہ ہے فریاد ہے زاری ہے اور میں ہوں
گنہگاری ہے اور میں ہوں گرفتاری ہے اور میں ہوں
بڑی مشکل ہے اور میں سخت دشواری ہے اور میں ہوں

فغاں ہے گریہ ہے زاری ہے بیزاری ہے اور میں ہوں
عجب رسوائی ہے بدنامی ہے خواری ہے اور میں ہوں
گہے ہے اشکباری گاہ خوں باری ہے اور میں ہوں
نہ پوچھے ہے کوئی بے صبؔر اور پھرتا ہوں روتا میں

مستزاد : اس نظم میں مصرعے یا بیت کے بعد ایک فقرہ زیادہ کیا جاتا ہے جو مصرعے یا شعر کے معنی سے ربط رکھّے جس پر وہ فقرہ اضافہ کیا گیا ہے نہ یہ کے اس فقرے اضافی کے معنی مصرعہ اور شعر پر منطق ہوں۔ راقم کے مستزاد شعر، رباعی اور متفرق فردیات یہاں مثال میں پیش کی جا رہی ہیں۔

شعر مستزاد

غیروں سے ہے الفت تجھے اور مجھ سے عداوت، اے شوخ خود آرا
نفرت ہے تجھے مجھ سے رقیبوں سے محبت، ہے اس کا سبب کیا

رباعی مستزاد

میں نے کہا اس سے ہوں میں بیتاب و قرار
فرقت میں ہوں تیری اپنے جی سے بیزار کر مجھ پر نگاہ
یہ سن کے وہ بگڑا اور اٹھا کے تلوار
کاٹا مرے تن سے سر کو کر کے اک وار بے جرم و گناہ

رباعی مستزاد

بے صبؔر نہ مل اس سے تو پچتائے گا، دیکھ اس کا جمال
دل زلف میں اُلجھا کے نہ سلجھائے گا، یہ وبال
جان بھی دے کر نہ جانے وہاں پائے گا، ہے امر محال
دل لے کے نہ وہ خواب میں بھی آئے گا، کیا ذکر خیال

متفرق شعر

سر کٹانے سے تو قاتل مجھے انکار نہیں، گر یہ ہے تیری رضا
سر سے اپنے سر مُو مجھ کو سروکار نہیں، ابھی تلوار اٹھا

قتل بے صبرؔ میں ناحق کی یہ تاخیر ہے کیا، طلب تیر ہے کیا
بس ہے ابرو ہی تری حاجت شمشیر ہے کیا، کر اشارا تو ذرا

صنائع لفظی کے بیان میں

ہم یہاں طوالت کو پیش نظر رکھتے ہوئے صنائع لفظی کی اصطلاح کی تعریف اور تفسیر سے کنارہ کشی کر کے صرف نمونے کے طور پر بال مکند بے صبرؔ کے وہ چند شعر پیش کرتے ہیں جو مختلف صنعتوں میں ہیں تا کہ ان کے اشعار کا تجزیہ صنعتوں کی روشنی میں بھی خود ان کے انتخاب سے ہو جائے۔ اگر چہ بال مکند بے صبرؔ نے فارسی شعرا کے اشعار بھی مثالوں میں نقل کیے ہیں لیکن ہم اختصار کی خاطر صرف چند اُردو کے شعر وہ بھی صرف بے صبرؔ کے یہاں نقل کرتے ہیں۔

ترصیع:

گیسو زنجیر ہے بلا کی — ابر و شمشیر ہے قضا کی
معذور ہوئی زبان سخن سے — مغرور ہوئی تو ان بدن سے
سلطانِ جہاں گدا ہیں تیرے — خوبان زمان فدا ہیں تیرے
جس قدر مجھ کو تجھ سے الفت ہے — اس قدر تجھ کو مجھ سے نفرت ہے

تجنیس تام:

گلے میں ہے گریبان زری کانوں میں بالا ہے — یہ سچ ہے ماہ نو سے بدر کا رتبا دوبالا ہے
کیوں مہک جائے نہ پھر اُس شخص کا سارا بدن — جس کے بر میں ہو وہ رشکِ عنبریں سارا دن

تجنیس ناقص:

دی صبوحی میں دُرد ساقی نے — کہ فزوں میرے سر میں درد ہوا

تجنیس زائد:

سودائے ست کو اپنے اگر بیچ دے حسود — وہ سود باقی رہتا ہے جس کو زیاں نہیں
وہ چشم تو انسان کو بیمار ہی ڈالے — پر زلف وہ کافر ہے کہ بس مار ہی ڈالے

◆◆◆

آجائے نظر وہاں کا گر سیب — سیمین ذقنوں کو پہنچے آسیب
ہے وہ بخدا مکانِ خوباں — کیا کہیے مکان کانِ خوباں

◆◆◆

ہوتا کہ نہ دلنشیں وہ قامت مصرعہ ہو نہ موزوں تاقیامت
جس قدر ہیں کمر میں اس کے بل اس کی زلفوں کے بال میں بھی نہیں

♦♦♦

دیکھوں قیامت آتی ہے کیا میری جان پر
پھر سینے میں نہیں میرے دل کو قیام آج
وعدہ جو شام کا ہے تو بیتابیوں سے ہم
شامت میں ہیں کہ دیکھیے کب ہوگی شام آج
وہ آندھی ہے جو اس میں دیدہ و دانستہ آتی ہے
مگر صیاد کا جال آنکھ کو مچھلی کی جالا ہے

♦♦♦

جو کمینہ ہے وہ کرتا ہے کمینہ پروری کیوں نہ قدرِ غیر ہو گردُوں ہی ہو گیا

♦♦♦

خوں کے عوض اس کا خوں بہادو مجھ بیوہ کو میرا خوں بہادو

♦♦♦

چشم رکھتے ہیں سدا اپنی یہ ہم چشموں سے
کہ نہ شرمندہ دم گریہ ہوں ہم چشموں سے
بگاڑی بات میری اور بنائی اس سے بات اپنی
رقیبوں کی بن آئی ہے خدا کی کیا خدائی ہے

تجنیس مکرر:

ہیں اس پری کے حسن و نزاکت کی کان کان دکھلاتا ہے نئے نئے بالا ہر آن آن
جھلکے ہے جان تن سے قبا سے برنگِ تن تو اس کے تن کو جسمِ لطافت کی جان جان

تجنیس مطرف:

نار ہے بے یار ہر قطرہ شراب ناب کا خوار ہے ہر مست اس کی نرگس پُر خواب کا
دل ہمارا کیوں نہ اس محبوب کا محبوس ہو ہے کمند ایک ایک تار اس گیسوئے پرتاب کا

تجنیس خط:

بام پر برتری کے چڑھنے کو رتبا افتادگی کا زینا ہے

رعایت فتحات:

باران ہے بہار ہے چمن ہے اے یار　　لا جام شراب کا لبا لب بھر کر

رعایت ضمات:

خوب دکھ تم مجھ کو دو جو ہو سو ہو　　ہو سو ہو جو ہو سو ہو جو ہو سُو ہو

رعایت کسرات:

جتنی بن تیرے زندگی کی　　اتنے دن میری زندگی تھی

الاشتقاق:

کچھ نہیں رکھتے ہیں خواہش اور اگر رکھتے ہیں ہم　　صرف اک نظارہ منظور نظر رکھتے ہیں ہم

اک منوّر منیر نور ہے تو　　مظہر و ظاہر وظہور ہے تو

مقلوب بعض:

تیغ و سپر باندھ کر آیا وہ افغان پسر　　باندھی ہے اس نے مگر قتل پہ میرے کمر

مقلوب کل:

وہ ہوا رخصت تو رونے کا بندھا اک تار رات
ہے یہ حسرت کرسکا اس سے نہ میں ہیہات بات

◆◆◆

مغ بچّوں کی آج ہے محفل میں دورِ جام جم　　مجکو کیا یارا جو ماروں زہد وتقویٰ کا مَیں دم
مدعی تو ہو تو ہو بے صبر ہیں یہاں معذور ہم　　مہ جبیں جب جام مے دے پھر کہاں ایماں کا غم

◆◆◆

عاشق پر پڑھتا ہوں افسوں اس کا لے لے کے کر میں نام
مان لے کہنا وہ میرا تاکہ اور ہو جاے رام

◆◆◆

مارِ زلف اس کے کو کیلوں اور پکڑ لوں لا کلام　　مالک اس طور اس کے گنجِ حسن کا ہوں صبح وشام

◆◆◆

الردالعجز علی الصدور: مصرعہ اوّل کے رکن اوّل کو''صدر''اور آخری رکن کو''عروض''اور درمیانی رکن کو''حشو'' کہتے ہیں۔مصرعۂ دوم کے رکن اوّل کو''ابتدا''اور آخری رکن کو''عجز'' اور درمیانی رکن کو''حشو'' کہتے ہیں۔اس صنعت میں آٹھ نوع اور ہر نوع کی دو قسمیں ہیں اس طرح اس کی سولہ (۱۶) قسمیں ہیں۔

نوعِ اوّل پہلی قسم: جو لفظ''صدر''اور''عجز''میں آئے صورت اور معنی میں فرق نہ ہو۔مثال۔بیت مولفؔ۔

ناتوانی کی بھی گرانی ہے
اس قدر مجھ کو ناتوانی ہے

نوعِ اوّل دوسری قسم: جو لفظ''صدر''اور''عجز''میں آئے صورت اور معنی میں مختلف ہو۔مثال بیت مولفؔ۔

جہاں میں بیٹھتا ہوں دیتا ہے وہاں سے اٹھا
بس اب تو لے مجھے اللہ تو جہاں سے اٹھا

نوع دوم پہلی قسم: جو لفظ''عجز''کا ہو وہ مصرعہ اوّل میں''حشو''پر آئے اور صورت و معنی میں فرق نہ ہو۔مثال

یقیں جب قسم وعدہ پر ہمیں آوے
جو پہلے جھوٹی قسم کھانے کی قسم ہو جائے

نوع دوم دوسری قسم: جو لفظ''عجز''کا ہو وہ مصرعۂ اوّل میں''حشو''پر آئے اور وہ صورت میں یکساں اور معنی میں مختلف ہو۔مثال مولفؔ کا شعر۔

مجھ کو سکتا سا ہوگیا ہے کچھ
نہیں تجھ کو میں دیکھ سکتا دیکھ

نوع سوم پہلی قسم: جو لفظ''صدر''اور''عجز''میں آئے ایک لغت سے مشتق ہو اور صوررت میں مختلف لیکن معنی میں یکساں ہو۔مثال مولفؔ کی بیت سے۔

منتخب ہے بتان ہند میں وہ
چاہو پھر انتخاب کر دیکھو

نوع سوم دوسری قسم: جو لفظ''عجز''میں آئے وہ مصرعہ اوّل کے''حشو''سے لغت سے مشتق اور معنی

میں یکساں ہو۔مثال مولفؔ کی بیت سے۔

مجمع الاحباب ہے تربت مری
رہتے ہیں آٹھوں پہر محبوب جمع

نوع چہارم پہلی قسم: جولفظ''صدر''اور''عجز''پر آئے ایک کلمہ سے مشتق نہ ہواور معنی مختلف ہوں۔ مثال شعر مولفؔ

شان حق کیا تھی کہ ہم سے اس قدر یارانہ تھا
اس کا وہ دستِ نگاریں اپنا زیب شانہ تھا

نوع چہارم دوسری قسم: جولفظ''عجز''اور مصرعہ اوّل کے''حشو''میں آئے ایک کلمہ سے مشتق نہ ہو اور معنی مختلف ہوں۔مثال مولفؔ کے شعر سے۔

گر نظر کرتے ہیں دو عالم میں
کہیں پاتے تیرا نظیر نہیں

نوع پنجم پہلی قسم: جولفظ''عجز''پر ہے وہ''عروض''پر بھی ہو صورت اور معنی میں یکساں ہو۔

عنقا کا نام تو ہی نہیں ہے اگر نشاں
نایاب وہ ہمیں ہیں کہ نام ونشاں نہیں

نوع پنجم دوسری قسم: جو دونوں لفظ''عجز''اور''عروض''پر ہوں وہ صورت میں یکساں اور معنی میں مختلف ہوں۔مثال مولفؔ کے شعر سے۔

ہوا پامال مثلِ تازہ نہال
ہو کے پیدا میں کیا نہال ہوا

نوع ششم پہلی قسم: جولفظ''عجز''اور''ابتدا''پر ہو ان کی صورت اور معنی میں فرق نہ ہو۔

جفا کی ترک تو نے کیا خطا کی
جفا کی رے ارے ظالم جفا کی

نوع ششم دوسری قسم: جولفظ''عجز''اور''ابتدا''پر ہو ان کی صورت یکساں اور معنی مختلف ہوں۔ مثال مولفؔ کے شعر سے۔

اگرچہ بہ مشکل چھٹے ہم قفس سے
پڑا اک اور مشکل کہ بال اور نہ پر ہے

نوع ہفتم پہلی قسم: دونوں لفظ جو ''عجز'' اور ''عروض'' پر ہوں ایک لغت سے مشتق ہوں۔ اور معنی یکساں ہوں۔

مزا ہے خواہش بوسے میں ہوں چو ہم معدوم
کہ اُس کی راہ دیار عدم لبوں پر ہے

نوع ہفتم دوسری قسم: دونوں لفظ جو ''عجز'' اور ''ابتدا'' پر ہوں ایک لغت سے مشتق ہوں اور معنی جداگانہ۔ مولف کے شعر سے مثال۔

سب منّور تجھ سے ہیں تو ہے وہ نور
ظاہر و باطن میں ہے تیرا ظہور

نوع ہشتم پہلی قسم: ''عجز'' اور ''عروض'' کے الفاظ ایک کلمے سے مشتق نہ ہوں لیکن ان کے تلفظ میں شبہ اشتقاق ہو اور معنی میں اختلاف۔

سینکڑوں جس شہِ خوباں کی جلو میں ہوں جمیل
کیوں نہ پھر اس کی سواری بہ تجمّل نکلے

نوع ہشتم دوسری قسم: ''عجز'' اور ''ابتدا'' پر الفاظ ہوں ایک کلمے سے مشتق نہ ہوں ان کے تلفظ میں شبہ اشتقاق ہو۔

شرافت کب ہے چرخ چنبریں میں
کمینہ ہے جو رہتا ہے کمیں میں

◆◆◆

المعاد : جو لفظ مصرعے اوّل کا عروض ہے وہی دوسرے مصرعے کا صدر ہوگا اور دوسرے مصرعے کا عجز ہوگا وہی تیسرے مصرعے کا صدر ہوگا جیسا کہ ذیل کی رباعیوں میں ہے۔

رباعی

چشم اس کی ہے سحر اور وہ کافر ساحر
ساحر سے بجز سحر نہ ہو کچھ ظاہر
ظاہر ہے کہ اس نے کیا مجھ پر جادو
جادو برحق کرنے والا ہے کافر

◆◆◆

دم بھر بے گریہ ہے نہ چشمِ پرنم
پرنم نہ کیوں وہ ہو کہ غمناک ہیں ہم
ہم غم کے شفیق اور ہمارا ہے غم
غم خوار رفیق دوست مونس ہمدم

◆◆◆

ذوقافتین : شاعر شعر میں دو قافیے برابر رکھے جسے مولف کی اس غزل میں ہیں۔

پٹکا جو ہم نے سر تو زمیں ساری ہل گئی
توڑ آسماں کو آہ ہماری نکل گئی
راضی کریں شکاری کو جب تک رہائی پر
افسوس فصل باد بہاری نکل گئی
بارے ہوا شگون تو اچھا کہ میان سے
آتے ہی میرے اس کی کٹاری اُگل گئی
مرتا ہوں میں بن آئی اور آتی نہیں ہے وہ
قسمت کی کیا مری کہیں ماری اجل گئی
اچھا لگایا دل کہیں بے صبر صاحب آہ
دو روز میں ہی شکل تمہاری بدل گئی

غزل

میں نے جو کہا آ بت مغرور ورے کو
تو ہنس کے وہ کہنے لگا چل دُور پرے ہو
افسوس نہ اس رشک مسیحا کو ہے پَروا
کیسا ہی کوئی عاشق رنجور مرے گو
میں بات خوشامد کی لگا کہنے تو بولا
تنگ اس سے میں ہوتا ہوں بہت زور کرے جو
ساقی مجھے دے ایک تو اور مجھ سے تو لے ایک
تو نے جو یہ ہیں ساغر بلور بھرے دو

ہاتھ اپنے سے مے تجھ کو پلاتا ہے وہ بے صبرؔ
لے جام شراب آج تو مسرور ارے ہنو

مسجع : یعنی شاعر بیت کے برابر چار رکن کر کے سوائے قافیے کے تین تین مسجع لائے۔

غزل

لب بام پر سحر آن کر جو نقاب منہ سے اُٹھا دیا
کیا ذرّہ مہر کو ذرّہ کو ہر اک آفتاب بنا دیا
ترا لیتا کیا تھا میں باغباں نہ میں آہ کرتا تھا نے فغاں
ہو خراب تیرا بھی خانداں میرے آشیاں کو جلا دیا
کہیں مدتوں میں تو شب ذرا مجھے نیند آ گئی تھی بھلا
ارے درد دل ترا ہو برا مجھے کچی نیند جگا دیا
نہ کچھ اس کے کوچے سے کام ہے نہ کچھ اپنا اس کا کلام ہے
فقط اب تو ربط سلام ہے گہہ و گاہ سو یہ بھی بھلا دیا

خدف : یہاں شاعر ایک یا زیادہ حرف حروف تہجی میں سے کلام میں حذف کرتا ہے۔

غزل

چشم رشک نرگس و لب غیرت لعل یمن
زلف رشکِ مشک و قد غیرت وہ سر و چمن
دل ترے تیروں سے یوں لپٹا ہے جوں مدت کے بعد
لیلیٰ و مجنوں بہم ملتے ہیں شیریں کوہکن
مر گئے پر بھی نہ کی کچھ جوشِ وحشت نے کمی
ٹکڑے ٹکڑے بعد مردن بھی بدن میں ہے کفن
دوستو بے صبرؔ جو مشہور ہے وہ ہے یہی
چشمِ تر حیرت زدہ مضطر دریدہ پرہن

واسع الشفتین: جس شعر کے پڑھنے میں لب سے لب نہ ملے۔

یار نہیں آیا ہے کیا کیجیے
ہائے رے کس طرح جیا کیجیے

منقوطہ : کلام میں کوئی حرف بغیر نقطے کا نہ ہو۔

شب بت چین بہ جبین تیغ زن

تعطیل : کلام میں کوئی حرف نقطہ دار نہ ہو۔

مالکِ مُلکِ کرم سالکِ راہِ ولا
محرمِ اسرارِ کُل سرورِ اہلِ عطا
گوہر سلکِ کرم کوہ محامد کا لعل
مرہم دردِ سوال دردِ الم کو دوا
ہو اسد آسا اگر حملۂ ادہم سوار
دور ہو سر سدراہ گر ہو عدو سام سا
ہر دم و ہموا رہ اور ہر سحر و ہر مسا

رقطا : کلام میں ایک حرف بے نقط اور ایک حرف نقطہ دار ہو۔

آیا تو برید جو نہ آتا ہجر جاناں مجھے ستاتا

خیفا : کلام کا ایک لفظ نقطہ دار اور ایک نقطہ بغیر نقطے کا ہو۔

مہ جبین اس بت کو جب ہم نے کہا

مقطع : کلام کے تمام الفاظ کے حروف جدا جدا لکھے جائیں۔

اے دل داغ دار آہ نہ رو
رات اور دن زار زار آہ نہ رو
درِ دل او رازِ واری وائے وائے
رات اور دن آہ و زاری وائے وائے

موصل : کلام کے تمام الفاظ ملے ہوئے ہوں کوئی جدا نہ ہو۔

غم فرقت سے فرصت ہم کو کب ہے
موئے ہم غم سے باقی شب کی شب ہے
پانی برسا ہے خالی خم کرلا
ساقی پر کرکے مے کا ساغر لا

رقعہ :

غم صاحب عالی شوکت سرتا پا صولت مذظلۂ قامت طاعت سرشت کو خم کر کے
ظاہر عاطر کے کرتا ہے سامی نامہ شریف ہاتھ سے موہن قاصد کے پایا سر پر
چڑھایا موجب مزید حرمت کا جا تا حق جل شانہ تم سے عزلی کو مجھ عاجز نالائق
کے سر پر سایہ فرما کریو۔

مربّع : کلام میں چار مصرعے ہوں۔

کون کا کل سے تری بے سر و ساماں نہ ہوا
حال کس کا تری زلفوں سے پریشاں نہ ہوا
مثل تصویر تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا
چاک کس کا ترے ہاتھوں سے گریباں نہ ہوا

عکس : کلام میں مقدم حصّے کو موخر اور موخر حصّے کو مقدم کریں۔

جلوہ دکھا خدارا اے لعبت خود آرا
اے لعبت خود آرا جلوہ دکھا خدا را
قرآن رُخ تمہارا ایمان ہے ہمارا
ایمان ہے ہمارا قرآن رُخ تمہارا

مکرر : شعر میں کسی لفظ کی تکرار کی جائے۔

پر قہر پر فن پر ستم پر جور پر کیں آپ ہیں
خودسر و خود آرا و خود نما خود کام خود بین آپ ہیں

الارصاد : قافیے سے پہلے کا لفظ جو قافیے کا پتہ دیتا ہے۔

زلزلے میں زمین ساری ہے　　　اس قدر مجھ کو بے قرار ہے
ہم نے مرنا بھی اختیار کیا　　　لیک وہ بھی نہ اختیاری ہے

المدور : وہ نظم جو دایرے کے خانوں میں لکھیں اور جہاں سے پڑھیں شعر درست رہے۔

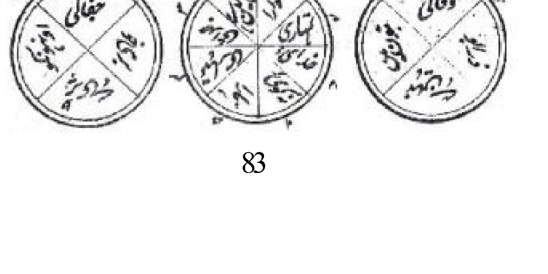

الملمع : شعر میں ایک مصرعہ عربی یا فارسی اور دوسرا اُردو کا ہو۔

دل خصم شداست و ہم نشیں ہم — جب سے ہوئے مبتلا کہیں ہم
از زندگی خودیم دل تنگ — چھٹ جائیں جو مرمٹیں کہیں ہم
فرہاد بمرد درفت مجنوں — اب رہ گئے آپ اک ہمیں ہم
بے نیم تُراز دور و نزدیک — نزدیک ہیں اپنے دوربین ہم
تاکے جاں باشد و لبِ ما — مرتے بھی تو ایک دن نہیں ہم

انیت گر آرز و ست بے صبر
دیکھیں اسے وقتِ واپسیں ہم

نقل:

خواجہ اشرف ماژندانی نے کہ اُستاد محو جمال زیب النساء بیگم مخفی بنت اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ تھا بیگم کو ظرافت سے لکھا کہ سن بوسئہ ''بیسن''، میخواہم بیگم نے جو کہ زود باب اور حاضر جواب تھی جواب میں لکھ بھیجا کہ _____ از مطبخ ماور گبر

قطعہ تضمین : ہار کے موتی کو اس سینے پہ ہلتا دیکھ کر
ہوگیا بے صبر ایسا باولا سودائی مست
لاکھ سمجھایا نہ سمجھا ایک سچ ہے قولِ شیخ
''تربیت نااہل راچون گردگان بر گنبدا است''

قطعہ : کہا جو میں لب لعل کیا بُرے تھے ترے
کیے مسی سے جو تو نے سیاہ باعثِ زیست
تو ہنس کے بولے کہ ہے قولِ شیخ بے صبر
کہ آب چشمۂ حیواں درونِ تاریکسیت

◆◆◆

قطعہ : جلوہ گر وہ تو ہے ورون و برون — تجھ کو ہے جس کے دیکھنے کی چاہ
گر نہ بیند بروز شپّر چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

◆◆◆

قطعہ :

پری آئی نظر اک سبزہ رنگ آج | کہ تھی کافر بنائے شکل امرد
کہا میں نے کہ اے کانِ ملاحت | ترے رُخ پر ہو جب تک خط کی آمد
چھپا زیرِ نقب اس کو خدارا | کہ شور انگیز عالم ہے ترا خد
کہا بے صبر خط کی رکھ نہ اُمید | زمینِ شور سنبل بر نیارد

◆◆◆

قطعہ تاریخ وفات: شاعر کلام میں وہ الفاظ لاتا ہے جس کے مجموعہ اعداد ابجد کے حساب سے سال حدوث واقع کے برابر ہوں۔

جب گئے جنّت کو ابراہیم ذوقؔ | رہ گیا مشہور ان کا نام نیک
سال رحلت ان کا اے بے صبر کہہ | تھے ہزار و دو صد دہفتاد ایک

۱۲۷۱ھ

◆◆◆

بدایع معنوی

ایہام :

کر نہ پامال مجھ میں حال نہیں | چھوڑ یہ چال مجھ میں حال نہیں

قطعہ : آپ کا رات اشارہ تھا اسے ورنہ رقیب
کب ملا سکتا تھا آنکھوں سے ہماری آنکھیں
حاصل انکار سے کیا ہے نہیں ناداں ہم بھی
ہم نے بھی دیکھی ہیں آخر تو تمہاری آنکھیں

نقل :

ایک دن نواب آصف الدولہ واسطے دیکھنے کوٹھی کے کہ نئی بنی تھی تشریف لے گئے تھے پیچھے سے ملک الشعرا مرزا رفیع السوداؔ بھی وہاں پہنچے نواب نے فرمایا کہ مرزا ہم دیر سے یہاں آئے تھے تم کہاں تھے سوداؔ نے بدیہہ کہا کہ غلام گردش میں تھا۔

تشبیہ مطلق:

یوں رُخ پرتاب ہے مابین دو زلف سیاہ | ایک من کے گرد ہوں جس طرح سے دو اژدھا

تشبیہ کنایت:

خبر مرنے کی میرے باغ میں جو دی سحر اس کو
تو ٹپکائے کئی نرگس نے قطرے گل پہ شبنم کے

تشبیہ مشروط:

اس کا قد سرو ہے پر سروِ خراماں ہو اگر
چشم نرگس ہے یہ نرگس کو ہو گر نور نظر

تشبیہ عکس:

روزِ ہجراں برنگِ شب ہے سیاہ اور شب وصل مثل روز سفید

تشبیہ تسوتیہ:

بخت میرا خفتہ ہے مانند چشمان صنم
حال ہے میرا پریشاں مثل زلف خم بخم

تشبیہ اضمار:

یوسف تو اگر ہے سرو بالا
تو کیوں مجھے چاہ غم میں ڈالا
خورشید ہے گر تو اے جواں مرد
تو رنگ ہے مرا کس لیے ذرد
گر گل ہے تو زینت گلستاں
تو چاک ہے کیوں مرا گریباں

تشبیہ تفصیل:

تو ہے مہر و مہ بلکہ ہے ان سے خوشتر کہ وہ دونو یکساں نہ قائم ہیں اصلا
وہ ہے دن میں رخشاں وہ ہے شب کو تاباں تو صبح و مسا روز شب جلوہ فرما

تفسیر جلی:

کوئی آئے کوئی جائے کوئی غمگیں کوئی شاد
جب کہ تو شمشیر خون آشام کھینچے ہو خفا
جو کہ آئے وہ اجل جو جائے وہ قالب سے جان
جو غمیں وہ بو الہوس جو شاد وہ عاشق ترا

تفسیرِخفی:

چار چیزیں چار جا سے تیرے جاتی ہی گئیں
صبر دل سے رخ سے رنگ آنکھوں سے نور اور سر سے ہوش

التاکیدالذم بمایشبہ المداح:

بدی تو کی فلک نے قیس اور فرہانہ سے لیکن
جو کی بے صبؔر مجھ سے سو کسی سے بھی نہ کی ہوگی

حسن تعلیل:

اس شوخ کے رخسارۂ نازک پہ عیاں
بے صبؔر نہیں ہے داغ چیچک کا نشاں
بوسہ جو لیا ہے خواب میں، میں نے
اس رو سے عیاں ہے صاف نقشِ دنداں

سوال جواب:

قلعہ

ایک دن اس سے کہا مَیں نے کہ اے ظلم شعار
قتل کیوں کرتا ہے ہم کو نہ گنہگار ہیں ہم
تو بگڑ کر وہ لگا کہنے دیا تھا کیوں دل
تو نہیں جانے تھا ہم کو کہ جفا کار ہیں ہم

◆◆◆

کہا میں نے کہ ہے کچھ عرض فرمایا کہ فرماؤ
کہا میں نے کہ مرتا ہوں کہا بہتر ہے مرجاؤ

رجوع:

نہ آدمی نہ پری ہے تو بلکہ حور ہے تو
نہیں نہیں حور اک خدا کا نور ہے تو

تجاہلِ عارف:

رُخ تیرا ہے یا کہ ماہ یا مہرِ منیر — یا زلف ہے یا کمندِ دل یا زنجیر
یا چشم ہے یا فسوں ہے یا آہوئے چین — یا ابرو ہے یا ہلال ہے یا شمشیر

لف ونشر مرتب: **رُباعی**

مَیں نے کہا اس سے ایک دن رشک چمن   کیوں کہتے ہیں باغ حسن تجھ کو ہمہ تن
دکھلا کے رُخ و دہن زلف بدن   یہ گل ہے یہ غنچہ ہے یہ سنبل یہ سمن

◆◆◆

بیت : اپنا دامن اشک ولختِ دل سے پر رکھتے ہیں ہم
دیدۂ تر کی بدولت لعل و دُر رکھتے ہیں ہم

المذہب الکلام:

کہا میں نے سمجھ مجھے بندہ   لگے کہنے خدا تجھے سمجھے

سیاق الاعداد:

ابر باراں باغ ساقی شیشہ جام
ہم ہوں اور ہوں اپنے یہ مرغوب جمع

◆◆◆

دو چار آٹھ دس کا سینکڑوں کا بل ہزاروں کا
کیا اللہ نے تجھ کو خلاصہ وضعداروں کا

تنیق الصفات:

ہشیار حسین شریر چالاک   خوش طبع ذکی ظریف بے باک

ارسال المثال:

چشم پوشی ہے جفا کاروں کو ترغیب جفا
بند شاہین کے رکھتے ہیں شکاری آنکھیں

ارسال المثالین:

رکھّے قرار نہ فرقت میں عاشق بے تاب
نہ جیسے تب میں ہو بھوک اور نہ فکر میں جواب

التدارک:

نہ چاہتا ہوں ترا نام لے کوئی بے باک
کہ تیرا نام ہے پاک اور زبان ہے ناپاک

تعجب : خال ہے رخسار یار مہوش پر
عجب ہے یہ نہیں جلتا سپند آتش پر

صنعت جمع:

اس کے رُخ سے نور کی کرتے ہیں دریوزہ گری
زہرہ و بہرام و ماہ و آفتاب و مشتری

صنعت تفریق:

ماہ تجھ کو کس طرح کہیے بت خورشید تاب
مہر سے مہ نور لے اور تجھ سے لے نور آفتاب

صنعت تقسیم:

تھے جگر و دل جو آہ سینے میں میرے نہاں
یہ ہوا نذر خدنگ وہ ہوا نذر سناں

◆◆◆

جمع وتفریق : میں بھی ہوں اس کی چشم سا بیمار
پر وہ خفتہ ہے اور میں بے دار

◆◆◆

جمع وتقسیم : لب و دندان یار سے بے صبر
لعل پاتا ہے رنگ گوہر آب

حسن طلب:

زیب النساء بیگم مخفی نے نعمت خان کو حکم دیا کہ ایک جیغہ مرصع ہم کو درکار ہے خرید کر بھیجو، خان موصوف نے خرید کر بھیج دیا اور قیمت عرض رکھی جب چند روز گذرے اور بیگم نے قیمت نہ بھیجی خان مسطور نے صنعت حسن الطلب میں یہ ابیات لکھ کر بھیجے، بیگم بہت خوش ہوئی اور زر قیمت اور ہزار روپیہ صلہ کے نامبردہ کو عطا کیے۔

رُباعی

اے بندگیت سعادت اختر من در خدمتِ تو عیان شدہ جوہر من

گر جیغہ خریدنی است پس گو زر اُو ور نیست خریدنی بزن بر سرمن

واضح ہو کہ جیغہ نام ایک کپڑے پوشا کی کا ہے کہ اس کو سر پر باندھیں۔

المدح بالموجہ (استتباع):

کس کو دیکھ کو خنجر بدست اے بے صبر
بھڑک اُٹھی مری گردن کی نس خدا حافظ

◆◆◆

حشوقبیح : لے کے شمشیر و تیغ جو وہ چلے
ہاتھ مرگ اور اجل نے اپنے ملے

◆◆◆

مبالغہ : لال افسانہ کوئی کیوں نہ سناوے مجھ کو
نیند لیکن نہ شب ہجر میں آئے مجھ کو

◆◆◆

چشم کو ہوتے ہی نگاہ کا قصد رُخ نازک مزاج لال ہوا

◆◆◆

رکھتے ہیں شب و روز زیادہ اور کم
ہم طالب وصل ہجر میں تیرے صنم
رنج و راحت غم و خوشی دشمن و دوست
بیداری و خواب اے ستم ایجاد کرم

◆◆◆

مراعات النظیر : **غزل**

تلوار بھی کمان بھی سنان بھی سپر بھی ہے
ٹیڑھی نگہ بھی برچھی سی ترچھی نظر بھی ہے
دل سے بدن سے اور لب و دندان سے تیرے پاس
آہن بھی سیم خام بھی لعل و گہر بھی ہے
گل رُخ بنفشہ زلف سمن تن ہے سر و قد
کیا ہے بہار نامِ خدا آپ پر بھی ہے

پیکان و تیغ و تیر و سنان سے کسی کے ریش
پہلو بھی بر بھی سینہ بھی دل بھی جگر بھی ہے

معمّا (محراب):

خجل دریا کو جب اس کی گہر بخشی نے فرمایا
تو اس کو رحم الٹا آبروے بحر پر آیا
(رحم النور تو محر+آب)

معمّا : بہر پامال عدو جب تو بہ تعجیل پھرے
پانو رکھ کر دشمن پہ ترا پیل پھرے
(سرِ دشمن+و+[پیل پھر]لیپ)

نقل:

''مولانا غزالی حج کو گیا تھا وہاں سے ہندوستان کو پھرتے وقت شہر جام میں وارد ہوا چاہا کہ مولوی جامؔی سے ملے سراپا گرد وغبار آلودہ جامؔی کے گھر پہنچا اور بے تکلف برابر مولوی کے مسند پر جا بیٹھا جامؔی نے بنظر استحقار دیکھ کر کہا کہ درسگ وتو چہ تفاوت باشد بدیہہ کہا کہ یک وجب یعنی ایک بالشت گویا مولوی کو کتا ٹھہرایا جامؔی نے جانا کہ کوئی شاعر حاضر جواب ہے کہا کہ کیستی واز کجا میرسی کہا کہ شاعرم از مکۂ میرسم وبہ ہندوطن مالوف خودخواہم رسید۔ جامؔی نے کہا مگر غزالی باشی کہا کہ بلے یہ سن کر جامؔی اٹھا اور آغوش میں کھینچا اور عذر چاہا کہ درمعما ہم دخلے داری کہا کہ آرے معما دوقسم است قولی وفعلی جامؔی نے کہا کہ قولی بسیار است ومن مشتاق فعلی ام۔ غزالی سیدھا کھڑا ہو گیا اور پھر سر کو جھکایا اور ڈاڑھی کو جھاڑا۔ جامؔی نے کہا کہ نام ادریس برآوردی؟ فقط مراد یہ ہے کہ جب سیدھا کھڑا ہوا تو صورت الف کی قائم ہوئی اور پھر سر جھکانے سے شکل دال مہملہ کی بنی اور ڈاڑھی کو ریش کہتے ہیں اس کے جھاڑنے سے نقطے شین کے گر گئے تو ریس بسین مہملہ رہ کر ادریس ہو گیا اور ادریس نام ایک نبی کا ہے۔''

نغر (پہلی):　　　　ڈھال

ایک عورت ہے کالی کالی　　　کان نہیں ہے پہنے بالی
ناک نہیں پر سونگھے پھول　　　جتنا عرض اتنا ہی طول

حسن مطلع:

پیش ابرو سجدہ جائز ہوگیا آفاق میں
رکھ دیا محراب کو سب نے اٹھا کر طاق میں

◆◆◆

عیاں جب اپنا فروغ جمال تو نے کیا
تمام کردیا مہ کو کمال تو نے کیا

◆◆◆

نامور کیوں نہ ہو کلام اس کا
کہ دھن ہے برائے نام اس کا

◆◆◆

بدر ہوکر ہلال ہوتا ہے
مہ کا نقصاں کمال ہوتا ہے

حسن مقطع:

شب مہتاب جدائی میں موا ہوں بے صبؔر
قبر پر میری سفید دم تعمیر رہے

◆◆◆

خوب نکلی تیرے بے صبؔر کی صحرا میں ہوس
پانو میں خار لگے ایسے کہ سر سے نکلے

قطعہ تاریخ رسالہ ''بدیع البدایع'' از نتائج فکر جناب منشی کرشن چندسروپ صاحب منیؔر تخلص خلف الصدیق مصنف رسالہ ہذا

چوں زتصنیفات آں عالی جناب
طبع اوّل این کتاب پر فن است

سال طبعش از سر اعجاز گفت
ہاتفہم، این تازہ تر گلشن است

(۱۹۴۲ہندی)

خاتمہ الطبع

الحمد اللہ کہ این نسخۂ کتاب لاجواب پر از علم صنایع بدایع یعنی ''بدیع البدایع'' از تصنیف شاعر یکتائے روزگاہ جناب منشی بال مکند صاحب بےصبؔر متوطن قصبۂ سکندر آباد متعلق ضلع بلند شہر در مطبع دبیر ہند بلند شہر بماہ اخیر اگست ۱۸۸۵ء مطبوع گردید۔ فقط

خود مصنف بال مکند بےصبؔر نے لکھا۔ خاتمۂ کتاب کا شکر خدا کا اور احسان کہ یہ نو بادۂ گلستان افکار نونہال بوستان اسرار با آبیادی ابر عنایت یزدانی اور آبیاری سحاب کرمت سجانی کے گلزار میں دل اور خیابان طبع سے نشو ونما آب و رنگ پا کر پھول مراد اور پھل آرزو کے لایا الٰہی اس کو تند باد خزاں انقلاب دوران سے بیچ سایہ ابر کرم اپنے کے سرسبز اور شاداب اور دامن بہار فضل اپنی میں پر بار و پر آب رکھ۔

رباعی

بے صبؔر ہوا یہ نسخہ تازہ تمام
مقبول جناب کبریا ہو یہ مدام
اللہ اسے عطا کرے فیض انام
مشہور رہے ابد تک اس سے مرا نام

❑❑❑

مثنوی لختِ جگر

اللہ جمیل ویحبّ الجمال

المنۃ اللہ کہ زمزمہ شگرفِ جاں پرور و ترانۂ عاشقانۂ پر اثر موسوم

بہ

مثنوی لختِ جگر

من تصانیف نکتہ سرائے محسودِ ترسا و گبر منشی بال مکند سکندرآبادی متخلص بہ بےؔ جبر
در مطبع خورشیدِ جہانتاب سہارنپور منطبع شد
فی جلد ۱۲ر منشی امیر سنگھ پروپریٹر

اس میں متن صفحہ۲ سے شروع ہوکر صفحہ ۱۴۲ پر ختم ہوتا ہے، اور صفحہ ۱۴۲ سے صفحہ ۱۴۳ تک تاریخی قطعات ہیں۔ آخری الفاظ یہ ہیں:

"کتبہ نجم الدین لاہوری
باہتمام عمر دراز خان پریس مین"

صفحہ ۱۴۴ پر "قطعہ بےصبر تضمینِ مصرعۂ سعدیؔ" ہے جس کا تعلق مثنوی سے نہیں ہے، محض خالی صفحہ بھرنے کے لیے لکھا گیا ہے یا اسے کاتب مثنوی نجم الدین لاہوری کی خوشنویسی کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

کہا جو میں نے لب لعل کیا بُرے تھے ترے
کیے مسی سے جو تو نے سیاہِ باعثِ زیست
تو ہنس کے بولے کہ ہے قولِ شیخ اے بےصبرؔ
کہ آبِ چشمۂ حیواں درونِ تاریکسیت

تذکرہ سخنِ شعرا میں نساخؔ نے بےصبرؔ کو فارسی گو کہا ہے مگر فارسی کا کوئی شعر نہیں دیا۔ شاید اس لیے کہ تذکرہ اردو شاعروں کا ہے۔ بہرحال اس مثنوی میں بےصبرؔ کی دو فارسی غزلیں بھی ہیں۔ انھیں محفوظ کرنے کے لیے یہاں درج کیا جاتا ہے۔

غزل

جاناں دہدم شراب و نوشم — ایں کُفر بدیں نے فردشم
بر ساقی و بادہ باد قرباں — نقدِ و دل و دین وصبر و ہوشم
دستِ من و دوشِ عیش کافروز — دستِ صنم است زیبِ دوشم
از نغمۂ زبان مباد خاموش — گوی دیدم از کسے خموشم

یارِ مے و مطرب است بے صبر
باید کہ بجز نشاط کوشم

غزل

چشم تو نہ پُرنم از الم باد — بردامنِ دل نہ گرد غم باد
تیغِ غضبِ خدا بمیداں — بہر سرِ دشمنت علم باد
جاے کہ درختِ فتنۂ روید — از تیغِ جفاے تو قلم باد
جامت زمئے جہاں ستانی — در دستِ تو رشکِ جامِ جم باد
قدِ ہمہ سرکشانِ بے مہر — پیشِ تو چو ماہِ عید خم باد

بے صبر نصیبِ تو دریں بزم
جام وے و مطرب وصنم باد

◆◆◆

بیانِ حال دل بیتاب وسببِ تصنیفِ کتاب

یارہ کہوں کیا میں حال اپنا — رنج و تعب و ملا اپنا
ہوں میں بخدا دل وجگر ریش — آزردہِ لعبتِ ستم کیش
بیمارِ نگاہِ مست و مخمور — بیزار و نزار و زار و رنجور
صد زخم خدنگِ عشق کھاے — صدمے غم و درد کے اُٹھائے
غم دیدہ و صد بلا کشیدہ — بربسترِ محبت آر میدہ
ہے بال مکند نام رجور — بے صبر تخلص اپنا مشہور
کایتھ ہوں قوم کا میں ناشاد — ہے میرا وطن سکندرآباد
دلّی سے دوآب میں سوے شرق — ہے بیس کردہ کا اسے فرق
طفلی سے زبسکہ گوشۂ دل — رکھتا تھا بہ حسن وعشق مائل
تھا مکتبِ عشق میں سبق خواں — رخسار بتاں میری گلستاں
تھا اپنی نظر میں صبح اور شام — زلف و قدِ یار کا الف لام
تھے یاد میں خال کے نقط یاد — خوش چشموں تھی میری صاد
شین ابرو و ری مژہ، دہن میم — خوش خطوں سے پاے خط کی تعلیم

اُستاد تھا شوق اور میں شایق   نکلا فنِ عاشقی میں لایق
جب دل ہوا دلبروں کا شیدا   دل میں ہوا میرے درد پیدا
نسبت ہے جو درد کو سخن سے   اور واسطۂ سخن دہن سے
سینہ میں دل و جگر تھے جلتے   شعلے میرے منہ سے تھے نکلتے
جو آیا زبان پر زبانہ   وہ ہوگیا شعرِ عاشقانہ
کہہ کر غزل و رباعی و فرد   سینہ کا نکالتا تھا میں درد
کہتے تھے رفیق مجھ سے ہر روز   کہہ تو کوئی مثنویِ پُرشوز
تاہو تیرا زور طبع معلوم   نابود ہو تو نہ ہو وہ معدوم
کہتا یہی میں کہ کیا کہوں میں   کب لایق شعر گوئی ہوں میں
کیا میری زباں ہے کیا مرا فکر   ہوگا شعرا میں کیا میرا ذکر
کیا چھوڑا ہے اہلِ مثنوی نے   خسؔرو نے نظامؔی مولوؔی نے
فیاضؔی آتشیں سخن نے   سوؔدا نے میؔر نے حسؔن نے
اک روز کہ تھا وہ روز مسعود   سامانِ نشاط و عیش موجود
کھولی پئے انکشافِ احوال   دیوانِ لسان غیب سے فال
نکلی غزلِ خجستہ مضمون   بحر مُجتث زحاف مجنون
تھے قافیہ عنبر و سروبر   تکرار ردیف کن برابر
مطلع سے مبارک و ہمایوں   مقطع تک تھا سب اس کا مضموں
حافؔظ نے یہ جب کہ دی بشارت   کی طبع کو میں نے پھر اشارت
یعنی میں لگا رُلانے رونے   سلکِ گہرِ سخن پرونے
افسانہ جاں گداز کہنے   در پردہ سب اپنے راز کہنے
دل کا میرے خوں ہے یہ فسانہ   جادو ہے فسوں ہے یہ فسانہ
مئے مثنوی ہے یہ اک طلسمات   چھوٹا مرا منہ ہے اور بڑی بات
جو حال جہاں بیاں کیا ہے   کر ہو بہو اک سماں دیا ہے
جس بات کی پیچ پہ آگیا ہوں   تھی جھوٹ تو سچ بنا گیا ہوں
اس عطر سے حق کرے سراسر   ہو محفل قدسیاں مُعطر

منظورِ عوام ہو یہ محبوب   مشہور مدام ہو یہ مجوب
ہر مدرسہ میں یہ ہار پائے   ہر بزم میں یہ وقار پائے
لختِ جگر اس نے نام پایا   نام و سن اختتام پایا
فکر سنِ (۱۲۵۳) عیسوی جو آیا   بالغ خرد اس (۱۸۳۷) کا سال پایا
جب ہوگئی ختم یہ کہانی   باقی تھی ابھی نگاہِ ثانی
مانع ہوا اس کا شوقِ یاران   پاسِ طلب شبّاب کاراں
یعنی نہ انھوں سے ہوسکا صبر   نقل اِس کی انھوں نے لی بصد جبر
اس طور سے ہو کے نقل در نقل   اکثر ہوئیں اس کی بیشتر نقل
اب ہے جو یہ سال سال مسعود   بارہ سو (۱۲۷۵) پر پچھتّر افزود
ترمیم کیا پھر اس کو میں نے   ترتیب دیا پھر اس کو میں نے
آراستہ کردیا اب اس کو   پیراستہ کردیا اب اس کو
غالبؔ کی نگاہ سے گزر کر   بے عیب یہ ہوگئی سراسر
تصنیف کا سال تھا جگر لخت (۱۲۵۳ھ)   ترمیم کا سن ''زہے میرا (۱۲۷۵) بخت''
اُمید یہ دوستوں سے ہے اب   پہچان کے مجھ کو طفل مکتب
اوّل تو کریں نہ عیب جوئی   اور پائیں خطا صریح کوئی
اصلاح کریں بہ عیب پوشی   اغماض سے یا کریں خموشی
پہلا کوئی نسخہ گر کہیں پائیں   کچھ اس پہ نہ التفات فرمائیں
اے ساقیِ شوخ رندِ مشرب   جام مَے عشق دے مجھے اب

مثنوی یہاں وہاں سے

ایک ابرِ شرار بار ہے عشق   طوفانِ محیطِ نار ہے عشق
سیلِ یمِ زمہر بر ہے عشق   جوش کُرہِ اثیر ہے عشق
عالم سوز آفتابِ محشر   آتش گہہ عِشق کا ہے اخگر
تب لرزہ برق آتشیں دم   سوزِ دلِ آتشِ جہنم
صبر و دل و جاں کا خانماں سوز   آشوبِ زمین و آسمان سوز
زرد اس سے ہے رنگِ روئے آتش   لرزاں تنِ شعلہ ہائے سرکش

ہے برق اسی تپش سے بیتاب　　خورشید اس آگ کا ہے سیماب
ہے گرمیٔ بزم داغِ جاں سوز　　غم خانہ دل میں مشعل افروز
اس یم میں کہ ہے یہ بحرِ آذر　　بیتاب ہے ماہیِ سمندر
ہر چند نہیں ہے خود خدا عشق　　لیکن نہ خدا سے ہے جدا عشق

ہے عشق بنائے آفرینش
نورِ نظرِ چراغِ بینش

◆◆◆

بے صبر سخن ہی تھا وہ اعجاز　　کُن جس کو کہیں بمنطقِ راز
جاں جس کے سبب در آئے تن میں　　کی نطق نے جا دہن دہن میں
گو جب سے زمانہ در گذر ہے　　جاں بخشی کا اس میں پر اثر ہے
ہر ملک میں ہر زماں میں ہر دم　　ہیں حد سے فزوں سخن فراہم
گویا کہ سخن بھی اک جہاں ہے　　نَے نَے نہ جہاں جہانِ جاں ہے
کچھ یاں نہ مقامِ دل زون ہے　　کیا وسعتِ عالم سخن ہے
ہو گزرے کہن زمانے ہیں سَو　　پاتا ہے بہر زمانہ یہ نو
بحروں کی ہیں اس میں بحر اطراف　　ہیں کوہ ردیف و قافیہ قاف
باغ اس میں صنائع و بدائع　　دشت اس میں بڑے بڑے وقائع
کشور ہیں قصیدہ مثنوی ملک　　کہنہ ہے یہ عالم اور نوی ملک
ہیں اس میں رباعی ربع مسکون　　ہے ناظم ملک طبع موزوں
شاعر ہیں سب اس کے صاحبِ تاج　　مضمونوں کے بے شمار افواج
نام آوری اس کا ہے محاصل　　فکر اس میں ہے کاروار عامل
رکھتا ہے زمین شگفتہ یہ دہر　　ہیں بیتوں کی بیت اور غزل شہر
گُل اس میں ہے بود و باش یعنی　　جانے جِسے ہو تلاش معنی
شے ہے سو جہاں میں ہے سخن ہاں　　سب بولتے دم کا ہے یہ ساماں

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

◆◆◆

حُسن و نمک و نزاکت و ناز　　ایّام بہار و سبزہ آغاز
پیشانی پہ اس کی نورِ اقبال　　چشم بددور بار ہواں سال
ہر علم و ہر ایک فن سے ماہر　　آثارِ شجاعت اس سے ظاہر
تھا یوسفِ مصرِ حُسن وہ پور　　اس رُو سے عزیز تھا وہ مشہور
اُس ضیغم دشتِ شوق کا دل　　تھا بسکہ سوئے شکار مائل
جنگل میں ہمیشہ سیر کرتا　　صیدِ دل وحش و طیر کرتا
واللہ یہ شوق ہے بہت خوب　　کیوں بادشہوں کو ہو نہ مرغوب
ظاہر میں ستم گری ہے معلوم　　باطن میں ہے بار عام مظلوم
ظاہر میں ہے لہو لعب نخچیر　　باطن میں ہے مشقِ تیر وشمشیر

ظاہر میں ہے محنت و خرابی
باطن میں ہے فال فتح یابی

◆◆◆

باہم گل و سرو میں لڑائی　　ہر اک بغرور و خودستائی
گل کہتا تھا میں بزرگ تر ہوں　　شاہان و بتاں کا زیبِ سرہوں
محفل مری بو سے ہو معطر　　پہنچائے دماغ کو فلک پر
ہے رنگ مرا پسند احباب　　موزوں مرا قد و خد ہے سیراب
کہنے لگا سرو دار پر چڑھ　　پر بھول کے مت کسی کے سر چڑھ
سر چڑھنا نہ کام ہے ہنر کا　　ہے بلکہ یہ کام دردِ سر کا
ہاں سچ ہے کہ بو ہے تیری نازل　　جز دردِ سر اس سے ہو نہ حاصل
جس شخص کے بو دماغ میں ہو　　کہتے ہیں سبھی مدمغ اس کو
ہوتے کہیں پست قد ہیں سردار　　چھوٹا ترا قد بڑی ہے گفتار
اس رنگِ دو روزہ پر نہ کر ناز　　میں تجھ سے زیادہ ہوں سر افراز
کیوں شاد نہ ہوں کہ ہوں میں شمشاد　　مجھ کو کیا حق نے سرو آزاد
ہے قد مرا حدِ قدرِ والا　　ہے نام ہی میرا سروِ بالا
سیرت مری راستی میں مشہور　　یہ بات نہ راستی سے ہے دور

یاں تک تو ہے راستی کو تاثیر　　کرلیتا ہے سینہ میں جگہ تیر
گل پھر ہوا سُن کے یہ سخن کو　　ہے ''گل طویل احمق'' تو
گر راست ہے تیری خودستائی　　کیوں فاختہ سی ہے کج ادائی
آزادی کی اپنے کر نہ تقریر　　ہے پاؤں میں موجِ آبِ زنجیر
سرتاپا سرکشی کو کم کر
سر کو بدرِ نیاز خم کر

◆◆◆

بیٹھا شہِ عشق تختِ دل پر　　قابض ہوا ملک آب و گل پر
نوبت غمِ ہجر کی بجائی　　اندیشہ کی پھر گئی دُہائی
قبضہ کیا گنجِ نقدِ جان پر　　جز یہ لگا غم کا استخواں بر
سکّہ زرِ داغ کا چلایا　　خطبہ خود کفر پڑھنے آیا
شہزادہ کو جب غرض ہوا ہوش　　اٹھا تو ولے زخود فراموش
گل سادۂ رُخ اُس کا زعفرانی　　تس پر بھی ہے اشکِ ارغوانی
گُم ہوش و حواس و چشم حیراں　　بیتاب و قرار و مو پریشاں
بھڑکی دل و جان و تن میں آتش　　خاطر آزردۂ دل مشوّش
نے تن میں تواں نہ دل میں آرام　　سودا و جنوں و ضبط و سر سام
وحشت سے کبھی چمن میں سارے　　پھرتا تھا وہ دوڑا دوڑا بارے
گرتا تھا کبھی پچھاڑ کھا کر　　روتا کبھی شور وہ مچا کر
سر کو کبھی مارتا زمیں پر　　ملتا کبھی چشم آستیں پر
کرتا کبھی اپنا پیرہن چاک
گہ لوٹتا تھا بہ بسترِ خاک

◆◆◆

پوچھا کہ کہو تو مختصر حال　　کہنے لگے شُکر ہے بہرحال
پوچھا کہ ہے رنگ کیا تمہارا　　بولے کہ جو ہے سو آشکارا

پوچھا تمہیں کچھ تو ہے شش و پنج   بولے نہ بشر ہے بے غم و رنج
پوچھا کہ نہ بے سبب ہو کچھ بات   بولے کہوں کیا سبب میں ہیہات
یہ کہہ کے ہوئے کمال مضطر
رونے لگے ہائے ہائے کرکر

◆◆◆

بے صبر مغنّی زمانہ   ہر دم نیا چھیڑے ہے ترانہ
گہہ سوز کی یہ لگا کر آواز   آہنگِ الم کو کرتا ہے ساز
گہہ نغمۂ تہنیت کو گا کر   زاہد کو بھی چھوڑے ہے نچا کر
زخمہ میں ہے اس کے تارِ عالم   پردے میں ہے اس کی شادی و غم
طبلہ میں ہے اس کے مشک اور قیر
چٹکی میں ہے اس کے زہر و اکسیر

◆◆◆

بے صبر گئے خزاں کے ایّام   دینے لگے نو بہار پیغام
دیوانوں نے توڑیں اپنی زنجیر   صحرا کو لیا جنوں نے جاگیر
آراستہ پھر گلوں نے کی بزم   بلبل کو چمن کا پھر ہوا عزم
وہ گل ہے جو گلستاں میں تھا آہ   چوں نرگس خشک چشم برراہ
پیغام بہار سن کے یکبار
بس کھل گیا باغ باغ وہ زار

◆◆◆

بے صبر عجب مزا ہو جس دم   مل جائیں کہیں دو یار باہم
خلوت کی ہو جا وہ پردہ کی اوٹ   وہ عشوہ و غمزہ کی بہم چوٹ
وہ ناز و نیاز کی ہوں باتیں   وہ بوس و کنار کی ہوں گھاتیں
احوال سنائیں اپنا اپنا   اخلاص جتائیں اپنا اپنا
آپس میں پئیں شراب دونو
آخر کو ہوں بے حجاب دونو

◆◆◆

مغرب کی طرف سے ہوکے اک شور　　اک زلزلہ آیا وہاں بصد زور
شدّت سے لگی زمین ہلنے　　پانی لگا بحر کا اچھلنے
کہسار لگے جگہ سے جانے　　اشجار لگے پچھاڑ کھانے
سقف و در و صحن و بام کانپنے　　جسم و دل و جاں تمام کانپے
فتنہ کے زمیں میں گڑ گئے پانو　　الہرز کے بھی اکھڑ گئے پانو
صدمے سے ہوا دل زمیں شق　　رنگِ رُخ خلق ہوگیا فق
گرنے لگے قصر پیچھے آگے　　جنگل کو سب اہلِ شہر بھاگے
شہزادۂ بہار، اور صنوبر　　لرزاں نکل آئے گھر سے باہر
بھونچال تو تھا ہی عالم آزار　　آندھی کا بھی غٹ ہوا نمودار

گردوں کو چھپایا خار و خس نے
بادل لگا خاک کا برسنے

◆◆◆

شہزادہ جو تھا وہ غیرتِ مہ　　یاروں نے بنایا اس کو دولہہ
گلگو نہ ملا رُخ و بدن پر　　حمام میں غسل اُسے کراکر
رنگیں کیا اس کے دست و پاکو　　پُرچیں کیا طرۂ دوتا کو
آنکھوں میں لگایا اس کے جل　　پوشاک پہ عطرِ فتنہ مل مل
پہنا دیا خلعتِ شہانہ　　زیبا کیا تاجِ خسروانہ
سہرا بُرخ منّور ایسے　　خورشد پہ ہو شعاع جیسے
موتی کی پنھائی اس کو مالا　　پھولو کا گلے میں ہار ڈالا
کچھ تھا ہی حسین شاہزادہ　　کچھ اور بھی بن گیا زیادہ
یہ حسن کا اس کے دیکھ عالم　　دم کردیا پڑھ کے اسمِ اعظم
اس طرح بنا سنوار اُس کو　　گھوڑے پر کیا سوار اُس کو
نقارے پہ پڑگئی ادھر چوپ　　چلنے لگی قلعہ پر ادھر توپ
وہ زیر کی گونج بم کی وہ گھور　　تاشوں کا پڑا بہر طرف شور
کرنا کی للک تُری کا انداز　　شہنائی کی وہ سہائی آواز

زربفت کی بیرقیں جھلکتی شادی کی ہوا میں تھیں پھڑکتی
گھوڑوں کے ترچھے بانکے جکڑے ہوئے ترکش و کماں کے
چمکاتے سمند باد پا وہ باندھے ہوئے جاتے تھے پرا وہ
چاروں طرف ایک حلقہ پیل صد پیل سبک رودگراں ڈیل
جھول ان پہ زری کی بھاری بھاری یاقوت کی ہووج و عماری
گھڑنال ہزاروں اور شترنال آواز سے جن کی آئے بھونچال
فیروزے کی پالکی ہزاروں رتھ سینکڑوں نال کی ہزاروں
سردار تمامی و زری پوش جام مَے خُرمی کیے نوش
جاتے تھے جلو میں آگے آگے سب جھومتے محفلوں کے جاگے
خوش پوش نقیب اور جلو دار کرتے ہوئے چوبدار ہشیار
وہ تخت رواں اور ان پہ چوباں خوش نغمہ سرا و پائے کوباں
روشن ہوئیں مشعل شب افروز شب ہوگئی غیرتِ دو صد روز
کچھ روشنی کچھ ہجوم مشعل کچھ تابش ہووج مشکّل
کچھ طاش و زری کا زرق اور برق جولاں گہ برق و عرصۂ شوق
لشکر کا غل اور ریلوں کا جمگھٹ چاروں طرف اہل شہر کا غٹ
عالم ہوا جمع آن کر ایک گرنے لگا پھنس کر ایک پر ایک
شفقت در و بام پر تھا بالکل طفل وزن و مرد کا جُدا غل

اس طرح غرض برات سج کر
پہنچی درِ دولتِ ملک پر

◆◆◆

خاتمۂ کتاب

صد شکر ہزار شکر لک شکر تازندگی شکر حشر تک شکر
صد شکر ہوا یہ تازہ بستان غیرت وہ گلستانِ رضوان
رنگیں جو بندھے ہیں اس میں مضمون گل ہیں اور سرو شعرِ موزوں
آشفتہ بیانی اس کا سُنبل سوز اور گداز صوتِ بُلبُل

ہیں زیب کلام ساقی نامے
تاک اس میں تمام ساقی نامے

تمہیدوں کی جابجا ہیں کیاری
ہے نہر لطافت اس میں جاری

ہیں سُرخیاں لالہ زار اس میں
سرتاپا صد بہار اس میں

دے دے کے جگر سے آبِ خوناب
یہ باغ کیا ہے مَیں نے سیراب

بخشی اُسے حق ابد کی بنیاد
مجھ سے میرے بعد یہ رہے یاد

دی اس کو خدا بہار جاوید
اس سے مجھے افتخار جاوید

ہو مُرغ قبول اس کا بُلبُل
پہنچے سر ہر زبان پہ یہ گُل

رنگِ اس کے سے ہو نظر منّور
بو اس کے سے مغز جان معطر

اہل نظر اس میں سیر فرمائیں
گُل چینی کو اس میں نکتہ چیں آئیں

آہن ہے تو یہ ہے زرہے تو یہ
حنظل ہے تو یہ ہے شکر ہے تو یہ

خوش ہو کوئی یا خفا یہی ہے
جو ہے سو بُرا بھلا یہی ہے

ہے میرا ایک چھوٹا بھائی
اس کو جو یہ بول چال بھائی

تاریخ کا کرکے فکر فی الحال
موغوبہ[۱۲۵۳] کہا کہ اس کا ہے سال

مشفق مرے اک بش نرائین
کشمیری ہیں قوم کے برہمن

ہیں شاعری سے وہ گرچہ آزاد
تاریخ کے کہنے میں پر استاد

سن کر اسے وہ بصد مسرّت
بولے کہ یہ ہے بیاض دولت[۱۲۵۳]

۱۸۹۴

ہندی میں دعا دی ہو کے مسرور
اللہ یہ مثنوی ہو منظور

اب دوستو اس کو یہ دُعا دو
مقبولِ جنابِ کبریا ہو

بے صبر نہیں ہے مجھ سے اب ہوش
خاموش ہو اب، بس اب ہو خاموش

❑❑❑

مثنوی ''اخگرِ عشق''

رسالہ ''بدیع البدایع'' کا نسخہ جو میری ذاتی لا بریری (ٹورنٹو) میں موجود ہے اس میں دی گئی فہرست تصانیف بے صؔبر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی چھپ گئی تھی لیکن وہ نایاب یا ضائع ہوگئی اور اس کا مخطوطہ بھی بے صؔبر کی دوسری تصنیفات اور تالیفات کی طرح خاندان والوں اور شاگردوں نے ضائع کر دیا چنانچہ کالی داس گپتا رضؔا اور ڈاکٹر مختار الدین کو بھی چند صفحات کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا۔ راقم کو بھی تلاش کرنے کے باوجود اس مثنوی ''اخگرِ عشق'' کا مواد حاصل نہ ہوا چناں چہ جو دو چار صفحات اس مثنوی کے بارے میں گپتا رضؔا نے اپنی کتاب میں جمع کیے ہم انھیں شکریہ کے ساتھ یہاں پیش کرتے ہیں۔

جناب کالی داس گپتا رضؔا ''غالبؔ کا ایک مشاق شاگرد'' میں لکھتے ہیں:-

رسالہ ''بدیع البدایع'' میں ''سوانح عمری مصنف'' کے تحت بے صبر کی جن تصانیف کا ذکر ہے اُن میں چھٹی تصنیف ''مثنوی اخگرِ عشق'' ہے۔ اس کے رو برو لکھا ہے۔ ''درحقیقت یہ مثنوی اسم بامسمّیٰ اخگر ہے۔ چھپ گئی۔'' پھر اسی رسالے کے صفحہ ۳۲ پر اندراج ہے:

تاریخ مثنوی ''اخگرِ عشق'' راقم۔

جس کا سن لالۂ پُر داغ ملا
۱۲۷۳

پر وہ لالہ بسرِ باغ ملا
۲

''لالۂ پُر داغ'' مادّۂ تاریخ کے اعداد بارہ سو تہتر ہوتے ہیں جب سرِ باغ کے عدد کہ بائے عربی اور اس کے دو عدد ہیں، زیادہ کیے تو ۱۲۷۵ عدد سالِ مطلوب کے پورے ہوگئے ____''

اس طرح یہ شبہ باقی نہیں رہتا کہ یہ مثنوی کہی بھی گئی تھی اور شایع بھی ہوئی تھی مگر اس کا چھپا ہوا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔ عرصہ ہوا ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب کو اس مثنوی کے چند قلمی اوراق دستیاب ہوئے تھے مگر وہ بھی کہیں کاغذات میں کھو گئے۔ اب میری درخواست پر انھوں نے ڈھونڈ ڈھانڈ کر اس کے صفحہ ۳ تا ۱۰ بہم پہنچائے ہیں۔ اُنھیں میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں ؎

''دے مضامیں کو مرے رنگِ قبول — زمزمے کو مرے آہنگ قبول
آئے تا حضرتِ غالبؔ کو پسند — جس کا شاگرد ہوں میں بال مکند
ہے تخلص مرا بےؔ صبر عیاں — قِصّہ اک کرتا ہوں سچّا میں بیاں
جس کا سب لالہ پُرداغ ملا (۱۲۷۵) — پر وہ لالہ یہ سرِ باغ ملا
اخگرِ عشق ہوا اس کا نام — ہو بخیر اس کا الٰہی انجام''

◆◆◆

(راوی کا بیان ہے)

کہ بنارس میں کوئی تھا اِک مرد — ہمہ رنج و ہمہ سوز و ہمہ درد

◆◆◆

بیس بائیں برس کا تھا جواں — شعلۂ رُخ سے عیاں خط کا دھوآں
آپ بھی گرچہ طرح دار وہ تھا — رشکِ گُل غیرتِ گلزار وہ تھا
دل میں پُرداغ برنگِ نالہ — اس کا دل آگ کا تھا پرکالہ
مثل سروِ لبِ جو قد موزوں — لیک پا بستۂ زنجیر جنوں
ضعف سے شعلۂ لرزاں وہ قد — ہمہ تن سروِ چراغاں وہ قد
سر پہ زلف اس کے بلا تھی کالی — رشکِ سنبل بہ پریشاں حالی

◆◆◆

وہ اُداس ابروے خمدار ہلال — غیرتِ ماہِ محرّم ہر سال
اشک سے تر سرِ خارِ مژگاں — خارِ پرنم میں خلیدن ہو کہاں
چشمِ مخمور تھی اس کی پُرنم — نرگس آلودۂ آبِ شبنم
مست و پُر خواب و سیاہ و مخمور — خواب کی چشمِ بد اُس سے، پرے، دور

رخِ گلفام جو تھا غم سے زرد — صاف چھپتا نظر آتا تھا درد
دیکھ لب اس کے دمِ گرم سے خشک — خونِ یاقوت ہوا شرم سے خشک

•••

حُسن اور عشق کا تھا یک گلزار — جس میں پیوندِ خزاں تھی یہ بہار
بسکہ تخمِ شررِ عشق اوّل — کشتِ دل اس کی میں در روزِ ازل
بویا تھا اس لیے تاہو کے شجر — لاے خورشید قیامت کا ثمر
جُو یے دل سے اسے اب چوں خوناب — غم نے دے دے کے کیا تھا سیراب
تب یہ گُل اُس نے کھِلا رکھا تھا — بُلبُل اس گُل کو بنا رکھا تھا

•••

الغرض وہ گُلِ رشکِ بُلبُل — بُلبُل غیرتِ گُل عزتِ گُل
رہا کرتا تھا دل آزردہ سا — جیتے جی عشق میں تھا مُردہ سا

•••

[ایک روز]

تپشِ دل سے بھُنا اور جلا — جان سے جانے کے رستے میں چلا
بے قرار، آہ بلب، گھبرایا — سَیر کرنے کو لبِ گنگ آیا
سردتا آتشِ دل آب سے ہو — آبِ گرم آہِ جگر تاب سے ہو
بے خبر اس سے کہ آبِ دریا — روغن اس آتشِ دل کو ہوگا

(اتنے میں ایکس آگ کی بیٹیاں غسل کرتی ہوئیں اور پانی سے کھیلتی ہوئی نظر آئیں۔ جن میں سے ایک ''رشکِ برجیں'' تھی۔)

گورا گورا وہ بھبو کا سا بدن — بکھرے بالوں کی دھواں دار پھبن
قطرے یوں بالوں سے ٹپکے ہارے — خوں شبِ تار میں ٹوٹیں تارے

•••

جوہری کی تھی وہ صاحبزادی — نہ ہوئی تھی ابھی اس کی شادی
اب اگر اس کا سراپا میں کہوں — کہو جُز نورِ خدا کیا میں کہاں

•••

تِل ذقن پر ہے ہویدا دیکھو   دل پہ ہے خال سویدا دیکھو
یاد جب آگئی گردن اس کی   ہچکی قلقل سے صراحی کو لگی

◆◆◆

تھی کمر اس کی کہوں کیا یہ راز   موج دریاے حقیقت کا مجاز
یاں تلک پانی سے باہر تھا بدن   تھی کمر موجِ لبِ بحر سخن

◆◆◆

ہے تُو بے صبر کدھر ہوش میں آ
گفتگو ہوش کی کر ہوش میں آ
بحر سے تُو سُوے بر آنکلا
تھا کدھر اور کدھر جانکلا
توسنِ فکر کی پھر پھیر عناں
پر عرب سے بسوے ہندوستاں
گرم جولاں اِدھر اور اُدھر آہ
حضرتِ عشق تری تکتے ہیں راہ
دیر، لائے، اُسے تشریف، ہوئی
تیرے باعث اُسے تکلیف ہوئی
تھی غرض وہ بتِ غارت گرِ دیں
ماہ رُخ، مہر لقا، زہرہ جبیں
غمزہ اور عشوہ، کرشمہ اور ناز
سحر آنکھوں میں لبوں میں اعجاز
چاردہ سالہ بلائے مروم
غیرتِ ماہِ شبِ چار دہم

◆◆◆

مثنوی کے کل شعر جو پیش نظر ہیں ۱۱۵ ہیں جن میں سے ۱۴۵ اوپر درج کر دیے گئے ہیں۔
ان اوراق کے شروع کے پانچ شعر اور آخری آٹھ شعر بغیر کسی حذف کے شامل کیے گئے ہیں تا کہ

مثنوی میں ممکنہ حدتک تسلسل قائم رہ سکے۔ درمیان کے تمام ضروری اشعار بھی لے لیے گئے ہیں جن سے میرے خیال میں ایک حدتک مثنوی کے کوائف سے آ گاہی ہوسکتی ہے۔

اس مثنوی کی اُٹھان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مثنوی لختِ جگر سے زیادہ رواں اور جوہر شاعری سے لبریز ہے۔

فی الحال اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اگر کبھی مکمل مثنوی دست یاب ہوگئی تو اس پر دوبارہ اور بہتر صورت میں روشنی ڈالی جاسکے گی۔

❑❑❑

نوٹ:- افسوس ہے کہ راقم کو تحقیق اور کوشش کے باوجود اس مثنوی کا مواد حاصل نہ ہوا۔
سیّد تقی عابدی

یا فتّاحُ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

گُلِستانِ ہند

تصنیف

منشی بال مکند

از: میرٹھ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

گلستانِ ہند

توحیدِ مجید اُس کا حق ہے، جو واحدِ برحق اور ذات مطلق ہے۔ قائم بالذات ہے۔ خود ذات اور عینِ صفات ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ دُور سے دُور، نزدیک سے نزدیک ہے۔ بے چون اور بے چگون ہے۔ بیرون اور درون ہے۔ کُل کا حاوی ہے۔ ہر جگہ مساوی ہے۔ جہاں دیکھو وہیں ہے۔ وہ جگہ نہیں، جہاں نہیں ہے۔ واجب الوجود ہے۔ سب جگہ موجود ہے۔ بے ابتدا اور بے انتہا ہے۔ بے نظیر اور بے ہمتا ہے۔ جب کچھ نہ تھا۔ جب کچھ نہ ہوگا وہ ہوگا۔ قدّوس ہے۔ غیر محسوس ہے۔ خاص نور اور سُرور ہے۔ اُسی نور کا سب ظہور ہے۔ عالم الغیب ہے۔ بے عیب لاریب ہے۔

رُباعی

کچھ ذات وصفات میں نہیں فرق ضرور
ہے ذات منوّر اور صفات اُس کا نور
خورشید کو ہے حجابِ نورِ خورشید
ہے نور میں بے صبر منوّر مسطور

رُباعی

جب موج میں دریائے حقیقت آیا
وحدت سے سُوئے نشیب کثرت آیا
بے چُون و چرائی سے ہُوا چُوں و چرا
یعنی بہ لباس لفظ صورت آیا
اک آن میں جہان کو پیدا کیا
ذات نے صفات کو ہُویدا کیا

اور دینے والا نجات کا، خالق ہے، رازق ہے اور صادق ہے، رحیم ہے، کریم ہے، عادل ہے، فاعل ہے، سمیع ہے، بصیر ہے، قادر ہے، قدیر ہے، غفار ہے، امُر زگار ہے، آفریدگار ہے،

پروردگار ہے، بخشنے والا گناہوں کا ہے، بادشاہ بادشاہوں کا ہے۔ سب کو اُس سے نسبتِ خاص ہے، عام کو اُسی سے اختصاص ہے۔ سب کی وُہی مراد، باقی سب، جھگڑا اور فساد ہے، اب اپنے مطلب پر آتا ہوں، واسطے، دُعا کے ہاتھ اٹھاتا ہوں۔

مُناجات بہ جناب حضرت مالک کائنات

الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں، شرمندہ اور شرمسار ہوں، سرتاپا گناہ ہوں، تیری طرف سے گُم راہ ہوں، کبھی تیرا نام زبان پر نہیں آتا، ذکرِ خیر نہیں سُہاتا، بندۂ فرمان ہوں، ہمہ تن عِصیان ہوں، طاقت ہے، نہ عبادت ہے، کھانے اور سونے کی عادت ہے، ہر چند عُقوبت کا سزاوار ہوں، لیکن تیری عُفُوْ کا اُمیدوار ہوں۔

بیت : بے ساختہ ہو عُفوِ خداوند جب تو پھر
بے اختیار بندے سے تقصیر کیوں نہ ہو

میری گنہگاری سے در گُزر، اپنی غفاری پر نظر کر، جب تک جیوں، کسی کا محتاج نہ ہوں، تندرست رہوں، کوئی دکھ اور رنج نہ دیکھوں، تجھ سے ڈرتا ہوں، تجھے یاد کرتا ہوں، جب معدوم ہوں، تیری دیدار سے نہ محروم نہ ہوں، قبُولیت میرے کلام کو بخش، شُہرت میرے نام کو بخش۔

عِلم کی تعریف اور بادشاہ اور حُکاّم کی توصیف

دُنیا میں علم سے زیادہ اچھی کوئی دولت نہیں۔ اُس کے جاتے رہنے سے دہشت نہیں، جتنا اس کو خرچ کرو، اُتنی ہی زیادہ ہو، چور چُرا نہیں سکتا۔ اچکّا اٹھا نہیں سکتا، غاصب اس کو نہیں تکتا، حاکم نہیں چھین سکتا، شریک کا اس پر دعویٰ نہیں، حصّہ نہیں بخرا نہیں، کوئی شریک ہے نہ سہیم ہے، کچھ خوف ہے نہ بیم ہے، آگ میں نہیں جلتی، پانی میں نہیں گلتی، دیوالہ نہیں نکلتا ہے۔ یہ سکہ ہر ملک میں چلتا ہے، گاڑنی نہیں پڑتی، اکھاڑنی نہیں پڑتی، ہر مال وبال ہے، یہ مال بے زوال ہے، نگہبانی چاہیے نہ پاسبانی، نہ رکھنی پڑتی ہے نہ چُھپانی، دُنیا میں اسی سے عزّت ہوتی ہے عقبٰی میں مغفرت ہوتی ہے۔

فائدہ:- ہمارے شہنشاہ عالی جاہ، عالم پناہ، انجم سپاہ، عادل دادگر، مالکِ بحر و بَر، عالی ہمّت بلند نظر، سراپا نصرت، سَراسَر ظفر، صاحب اقبال، ملایکِ خصال، حضرتہ ملکہ معظّمہ، مکرّمہ جناب وکٹوریہ کوئیں بادشاہِ انگلستان دامِ اقبالہٗ، اور اُن کے امیر اعظم، ناظم، منتظم، امیر الاُمراء، کشور کشا، رعایا پرور، داور دادگر، شریر گداز، غریب نواز، صاحب شمشیر آفاق گیر، مظفّر و منصور، حضور

لامع النور نواب سلطان۔ گورنر جنرل بہادر وائسرائے، ملک ہند کے فرماوارئے اور جناب معلیٰ القاب، عالی مقام میور صاحب بہادر لیفٹینٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی، دام افضالہٗ نے اسی دولت عظمی اور عطیہ کبریٰ کو اپنی رعایا پر ایسا بےصرفہ صرف کیا کہ ہر کہہ و مہ کو نہال اور مالا مال کر دیا اور جناب فیض مآب ڈائریکٹر صاحب بہادر نے اُس فیض بخشی کا ایسا انتظام فرمایا کہ ہر مفلس کو تونگر بنایا، واسطے تعلیم اولادِ رعایا کے ہر علم اور فن کے کالج اور اسکول بڑے بڑے شہروں اور صدر مقاموں میں اور دیہات کے حلقوں میں مدارس بنوا دیئے اور عالم اور فاضل ماسٹر اور مدرس مقرر اور معین فرما دیئے۔ اسی تعمیر و تنخواہ میں لاکھوں روپے ماہوار کا خرچ ہوا اور ہوتا جاتا ہے اور خرچ خورد و پوشش مفلس لڑکوں اور عام انعام طلباء میں زرِ بےشمار خرچ میں ملتا ہے۔ جو علوم کسی نے دیکھے نہ سُنے۔ چھوٹے چھوٹے لڑکے اُن کے پڑھنے لگے، خصوصاً ریاضی کو ایسا آسان اور سلیس کیا کہ ہر لڑکے کو افلاطون اور ارسطا طالیس بنا دیا۔ غرض علم کو ایسا نشور کیا ہے گویا پانی کر کے دریا بہا دیا ہے۔ ہر سال سینکڑوں طلباء کو بعد امتحان سرٹیفکیٹ لیاقت کے دیئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے سرکاری عہدوں پر مامور کیے جاتے ہیں۔ وہ تھوڑے دنوں میں مال دار ہو جاتے ہیں اور بدولت علم کے زر کی دولت، اس قدر پاتے کہ امیر کہلاتے، گویا سرکار اپنی رعایا کو دو دولت بخشتے ہیں، ایک علم کی دولت روحانی، دوسری زر اور مال کی دولتِ جسمانی۔ اتنے پر بھی جو کوئی سرکار کا شکر احسان نہ ادا کرے وہ کافر نعمت ہے۔ خدا ایسی سرکار کو سلامت رکھے اور رعایا کو توفیق اطاعت اور شکر گزاری کی بخشے۔

مصنف کا نام، حسب نسب اور کتاب کے تصنیف کا سبب

اب یہ خدا کا بندہ، دُنیا اور عقبیٰ کا شرمندہ، نیازمند، بال مکند، ابن بخشی کان سنگھ متخلص بہ بےصبر، قوم کایستھ بھٹناگر، سکندرآباد متعلق ضلع بلندشہر تلمیذ اُستادی حضرت مولانا مرزا اسداللہ خاں صاحب المعروف بہ مرزا نوشہ المتخلص بہ غالبؔ الخاطب بہ نجم الدولہ دہلوی عرض کرتا ہے، کہ بعد تصنیف دو (۲) دیوان اور تین (۳) مثنویات زبان اُردوئے معلیٰ اور ایک مختصر دیوانِ فارسی کے مجھ کو یہ شوق پیدا ہوا کہ آئندہ جو کچھ تصنیف و تالیف کروں، اُردوئے معلیٰ کی نثر میں بہ ذکر اخلاق اور ادب کہ جو لائق پڑھنے طلبا، مدارس سرکاری اور دیسی کے ہو دادِ سخن وری کی دیں۔ چناں چہ سال ایک ہزار آٹھ سو ستر (۱۸۷۰ء) میں ایک رسالہ مسمی بہ ''بدیع البدایع'' صنایع بدایع میں ایک

کتاب موسوم بہ ''ادیب البنات''، علمِ اخلاق میں لائق پڑھنے لڑکوں اور لڑکیوں کے تصنیف کر کے محکمہ گورنمنٹ مغربی میں روانہ کیں، جو کہ اکثر سخن دل پذیر یعنی سچی روایات بادشاہوں وغیرہ کی مکنون ضمیر سخن پذیر کی تھیں، اور جو وہ دل سے زبانِ قلم پر نہ آتی، تو ناحق ایک دن میرے ساتھ معدوم ہو جاتیں۔ اُن میں سے کوئی مضمون مطلب خیز، عبرت آمیز کسی نام نہ آتا اور میں گراں بار دُنیا سے جاتا، سوائے اِس کے صاحب دِلوں کا قول ہے کہ دل میں کیسا ہی مطلب عالی ہو، پَر وہ دل نہیں جو ماسوائے حق سے خالی ہو۔

بیت : جو دل مکاں ہے اُس کا دل ہی نہیں وہ پیدا
گویا مکان اُس کا ہے لامکاں زمین پر

اس نظر سے مدّ نظر ٹھہرا کہ وہ شاید مضامین خلوت کدۂ دل کے پردہ نشین زیادہ اپنے آپ کو نہ چھپاویں۔ سینے کے خلوت سے نکل کر سفینے کی جلوت میں جلوہ فرمادیں۔ اس واسطے بطور کتاب گلستان حضرت شیخ سعدی شیرازی کی عبارتِ سلیس اور محاوراتِ فصیح اور نفیس اُردوئے معلیٰ میں پانچ (۵) باب کے اُن کو ترتیب اور تقسیم کر کے ''گلستانِ ہند'' اس کا نام رکھا۔

پہلا باب بادشاہوں اور امیروں کے ذکر میں، **دوسرا باب** فقیروں کے بیان میں، **تیسرا باب** حکیموں اور طبیبوں کے حال میں، **چوتھا باب** شاعروں کے احوال میں، **پانچواں باب** نکات اور لطائف اور پند اور نصیحت و دیگر اقوال میں، اور سال ایک ہزار آٹھ سو اکہتر (۱۸۷۱ء) میں یہ قطعۂ تاریخ مخبر اُس کا ہے۔

قطعہ : جب ہوا بے صبر یہ نسخہ تمام
شاد ہوئے سن کے سخن دانِ ہند
مصرعہ چہارم کے عدد لے نکال
ہے یہی تاریخِ گلستان ہند

مطابق سنینِ ہندی و ہجری کے، کہ یہ شعر مُبین اُس کا ہے۔

بیت : ہزار و نہہ صد و بست اور ہفت (۱۹۲۷) ہندی گن
ہزار و دو صد و ہشتا دو ہفت (۱۲۸۷) ہجری سن

اختتام کو پہنچایا۔ جناب کبریا الٰہی اِس کو درجہ قبولیت کا بخشے اور انقلابِ زمانے کے حوادث سے محفوظ رکھے اور نکتہ چینوں کی خدمت میں دست بستہ التماس ہے کہ جہاں کہیں سہو اور خطا پاویں،

بہ حکم الانسا مُرکّب مَن الخطائے و لانسیان کے بہ مقتضائے عیب پوشی اغماض کے دامن میں چھُپاویں، اور دعما کدرِ خدماصفا کو کام فرمادیں کہ کہا ہے۔

شعر : آہن ہے تو یہ ہے زر ہے تو یہ
حنظل ہے تو یہ، سکر ہے تو یہ

پہلا باب، بادشاہوں اور امیروں کے ذکر میں

حکایت:- کہتے ہیں کہ نوشیروان کے حضور میں ایک دادخواہ نے فریاد کی اور دُہائی دی کہ میرا گھر سرِ راہ ہے اور گھر کے احاطے کی دیوار کوتاہ، گھر کے آنگن میں اُس کی بی بی ننگی بیٹھی نہاتی تھی، اور شہزادے کی سواری آتی تھی۔ جب گھر کے برابر آئی، ننگی عورت نظر آئی۔ شہزادے نے ہاتھی پر سے ایک پھول اُس کے مارا، جہاں ایسا ظلم ہو، وہاں رعیت کا کہاں گزارا، بادشاہ نے جب سُنا، غصّے سے سَر دھُنا، ظلم کی آگ نے اُس کا جی جلایا، انصاف کے پانی سے اُسے بجھایا، اپنے بیگانے میں امتیاز نہ کیا، برملا یہ حکم دیا کہ شہزادے کی بیگم اُس کے گھر جاوے اور اُسی طرح ننگی نہاوے، دادخواہ کی سواری اُسی طرح نکلے، اور پھول مارے، یہ سُنتے ہی دادخواہ گھبرا گیا۔ بےاختیار زبان پر لایا کہ اے دادگر یعنی انصاف بھر پایا، دادخواہی سے باز آیا۔ وزیروں نے بھی ہر چند شفاعت شہزادے کی کی، لیکن بادشاہ نے ایک نہ سُنی اور حکم کی تعمیل ہوئی۔

دادخواہ نے سوار ہوکر ادب کے پاس سے منہ پر نقاب باندھ لیا اور پھول زمین پر ڈال دیا۔ ایسے انصاف کا یہ نتیجہ کامل ہوا کہ اُس کا نام نوشیروان عادل ہوا۔

قطعہ : جس کسی کو سلطنت بخشے خداوند کریم
فرق نزدیک اُس کے کیوں بیگانے کو ہو خویش سے
لاکھ درجے ہے فزوں بے صبر شاہنشاہ کا
عدلِ یک دم طاعتِ صد سالۂ درویش سے

حکایت ۱۳ تیرہویں:- کہتے ہیں کہ جن دنوں میں دلّی کی جامع مسجد تعمیر ہوتی تھی۔ بعض متعصب امیروں نے شاہ جہاں کو یہ صلاح دی کہ اکثر مندروں میں بیش قیمت سنگ اور جواہرات خوش رنگ نصب ہیں، مندر توڑ کر نکلوائے اور منگوائے جاویں اور مسجد میں لگوائے جاویں کہ مسجد کو آب و تاب ہو اور ظلِ سبحانی کو ثواب۔ بادشاہ نے کہ اوّل تو غصب کا مال لینا غضب ہے اور بادشاہوں

کی ذات سے عجب، اور مفت کا مال مسجد میں لگانا بڑا عذاب ہے۔ نہ کہ ثواب، دوسرے جو زمانے کے انقلاب سے مسلمانی سلطنت کو زوال ہوا اور ہندوؤں کا اقبال، تو کیا عجب ہے کہ وہ مسجد کو ڈھا دیں اور اپنے اور ہمارے قیمتی پتھر نکال لیے جاویں اور مندروں میں لگاویں، عقل کے نزدیک دُور اندیشی ضروری ہے، اور تھوڑے نفع سے واسطے بہت نقصان اُٹھانا عقل سے دُور۔

حکایت:- اورنگ زیب عالم گیر نے بعد فتح ہونے گول کنڈہ کے، وہاں کے بادشاہ ابوالحسن معروف تانا شاہ سے فخر یہ کہا تھا کہ میں نے مُلک اور مال کی طمع سے یہ فساد نہیں کیا بلکہ تُو کافر ہے تجھ پر جہاد کیا ہے۔ وہ سُن کر چُپ ہو رہا۔ اُس وقت کچھ نہ کہا۔ جب خزانوں کی ضبطی کا وقت آیا۔ جہاں جہاں خزینہ اور دفینہ تھا۔ ابوالحسن نے بتلایا۔ جب دفینہ کہیں باقی نہ رہا اور عالم گیر نے واسطے بتانے کے مجبور کیا تو اُس نے ایک مسجد کی نیو میں دفینہ اور بتا دیا۔ حکم ہوا کہ مسجد کو ڈھا دو اور خزانہ نکال لو۔ غرض کہ مسجد مسمار کی گئی۔ اینٹ سے اینٹ مار دی گئی۔ لیکن خزانہ کہاں تھا۔ اُس وقت ابوالحسن نے کہا کہ حضرت سلامت میں نے آپ کو ایمان دیکھ لیا۔ خزانے کے لالچ میں مسجد کو ڈھا دیا۔ یہ اچھا جہاد ہوا۔ جس سے خُدا کا گھر برباد ہو۔ خدا کے گھر میں کہیں بھی خزانہ ہوتا ہے۔ خزانے کا گھر تو ویرانہ ہوتا ہے ۔

نہ کچھ تیرا دین ہے نہ ایمان ہے
تو دُنیا کا سگ ہے نہ انسان ہے
ترا دین ہے مُلک و ایمان مال
نہ کر دین و ایمان میں قیل و قال

دوسرا باب فقیروں کے بیان میں

پہلی حکایت:- کہتے ہیں شیخ بایزید بسطامی سے اُس کے ایک مُرید نے کہا کہ حضرت مجھ کو اسمِ اعظم بتا دیجیے۔ ''شیخ نے کہا کہ تُو مجھ کو اِسم اصغر بتا تا کہ تجھ کو اسم اعظم سکھا دوں۔ یعنی سب اسمِ خدا کے اعظم ہیں، اصغر کوئی نہیں۔

دوسری حکایت:- بہلُول ایک امیر زادہ تھا۔ اپنے دوستوں کے ساتھ جنگل کی سیر کو گیا۔ وہاں ایک فقیر کو دیکھا کہ یہ کہہ رہا تھا۔ سو (۱۰۰) دینار کے بدلے ہندوستان کی سلطنت بیچتا ہوں۔ بہلُول نے دس (۱۰) دینار جیب سے نکال کر اُس کے آگے رکھے اور کہا کہ اس سے زیادہ میرے

پاس نہیں ہے۔ فقیر نے دینار اُٹھا لیے اور کہا: ''ہم نے بھی قیمت قبول کی اور سلطنت ہند کی بیچ دی۔ جاؤ تم مبارک ہو۔'' راہ میں اُس کے یاروں نے اُس سے کہا کہ ''تم فقیر سے فریب کھا گئے۔'' بہلول نے کہا کہ ''مجھ کو کسی نے لُوٹا کھسوٹا نہیں ہے۔ اس سودے میں لوٹ نہیں ہے۔ جو فقیر سچّا ہے تو دس (۱۰) دینار کو ہندوستان مہنگا نہیں بلکہ سستا ہے اور وہ جھوٹا ہے۔ تو اُس نے مجھ کو زبردستی نہیں لُوٹا ہے۔ میں نے اپنی خوشی سے اُس کو زر دے دیا۔ اُس نے لے لیا۔'' آخرکار فقیر کا کہنا سچّا ہوا۔ ستر (۷۰) برس کی عمر میں وہی بہلول دلّی کا فرماں روا ہوا۔

تیسری حکایت منظوم:-

ایک مرد باخدا ہندو فقیر
تھا کسی ویرانے میں آرام گیر
دل منّور اور چہرے پر جلال
واقفِ اسرار اور صاحب کمال
پاک باطن صاف دل روشن ضمیر
دام آزادی میں سرتاپا اسیر
اتفاقاً شاہ عالم گیر کا
کُج عُزلت میں گزر اُس کے ہوا
پڑ گئی اُس کی نظر جو اُس گھڑی
گردنِ درویش میں مالا پڑی
پوچھا اس مالا میں کتنے دانے ہیں
ہم کو بتلا دیجے جتنے دانے ہیں
بولے وہ اصل اس مالا کے کاٹھ
اور دانے اس میں ہیں سو ۱۰۰ اور آٹھ ۸
چھیڑ سے نوشہ نے کہا دیجے جواب
ایک سو ۱۰۰ اور آٹھ ۸ کا ہی کیا حساب
سو ہماری سبحہ میں دانے ہیں سب
سو ۱۰۰ یہ ہے سو ۱۰۰ دانے ہونے کا سبب
حق تعالیٰ کے نود ۹۰ اور نو ۹ ہیں نام
ہر سوواں دانا جو ایک وہ ہے امام
پھر کہو حق سبحہ ہے یا مالا ہے
جانب حق کس کا رکھنے والا ہے
ہنس کے عارف نے کہا اے بادشاہ
ہے دوئی مذہب ہمارے میں گناہ
حق ہے ایک اور ایک نام حق نصد
ایک سو ۱۰۰ اور آٹھ ۸ ہیں حق کے عدد
پر تمہیں دیکھو کہ کس جانب ہے حق
ہوگیا یہ سُن کے رنگِ شاہ فق
دست بستہ پھر تو فرمایا کہ جو
حکم ہو لاؤں بجا اے راست کو
کچھ بجز اُس کے تعارف نے کہا
پھر کسی درویش کو مت آزما
حق ہے اے ''بے صبر'' یہ تیرا کلام
حق کو اور اُن حق شناسوں کو سلام

حکیموں اور طبیبوں کے حال میں

حکایت:- کہتے ہیں کہ اگلے زمانے میں ایک بادشاہ یونان کا حد سے زیادہ موٹا ہوگیا تھا۔ وہ ایسا بیمار ہوا کہ طبیب اس کے علاج سے عاجز آئے۔ اُس وقت میں وہاں یہ رسم تھی کہ جو بیمار طبیبوں کی دوا سے شفاء نہ پاتا۔ چوبی تختی پر اس کی بیماری کا حال لکھ کر ایک معمولی بُت خانے میں رات کو رکھ آتے۔ صبح کو جو دوا اس پر لکھی پاتے۔ وہ ہی بیمار کو کھلاتے۔ خدا اس کو شفا دیتا۔ اُس بادشاہ کے لیے بھی وہی عمل کیا تو لکھا پایا کہ وہ ایک مہینے میں مر جاوے گا۔ بادشاہ کا کھانا، سونا چھوٹ گیا۔ زندگی کی اُمید کا ڈورا ٹوٹ گیا۔ دن میں نہ چین نہ رات کو آرام۔ دن رات رونے سے کام۔ دربار کرنا ترک کیا۔ تخت اور تاج ولی عہد کو دیا۔ گھوڑوں کو دیکھتا تو گھوڑے کی طرح دو ہاتھ زمین پر مارتا۔ ہاتھیوں پر نظر کر کے ہاتھی کی مانند سر پر خاک ڈالتا۔ مال کو دیکھ ہوش کھو دیتا۔ عیال پر نظر پڑتی تو رو دیتا، گُل کو دیکھ کر گریباں چاک کرتا، شبنم کو دیکھ کر آنکھ نم ناک کرتا۔ لالی کو دیکھتا تو داغ کھاتا۔ نرگس کو دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ چمپا اُس کے رنگ کو زرد کرتا۔ صبا کے جھونکے سے ٹھنڈی سانس بھرتا۔ نہر کی سیر سے آنسوؤں کی سیل بہاتا۔ سبزے کی دید سے خاک پر لوٹ جاتا۔ محل مدفن نظر آتا۔ لباس کفنی نظر آتا۔ مایوسانہ ہر طرف نگاہ کرتا۔ آٹھوں پہر آہ آہ کرتا۔ جینے کی اُمید مرگئی۔ مرنے کی صلاح ٹھہر گئی۔ جُوں جُوں لٹتا گیا۔ مرض گھٹتا گیا۔ مہینے بھر میں سُوکھ تنکا ہو گیا۔ بیماری جاتی رہی چنگا ہو گیا۔ پھر تو طبیبوں سے ناراض ہوا۔ مُواخذہ اور اعتراض ہوا۔

اُنھوں نے پھر تختی بُت خانے میں رکھی۔ خلاف کی وجہ پوچھی۔ جواب پایا کہ بادشاہ کو فربہی کی بیماری تھی اور اس کی دوا لاغری اور لاغری فکر پر منحصر، اور کوئی فکر موت کی فکر سے برتر نہیں فربہی گئی اور لاغری آئی۔ بیماری گئی۔ اور صحت پائی۔

حکایت:- ایک آشنا سے روایت ہے کہ ایک طبیب آگرہ اپنے دروازے پر بیٹھا تھا۔ ایک برہمن جمنا سے نہائے ہوئے اُس طرف کو آیا۔ حکیم جی نے مجھ سے کہا کہ جو تم نے مُردو چلتا پھرتا نہ دیکھ ہو دیکھ لو۔ یہ جاتا ہے۔ اور یقین نہیں آتا تو اُس کے ساتھ چلے جاؤ اور کیفیت دیکھ آؤ۔

میں اُس کے پیچھے ہولیا۔ نزدیک اُس کا گھر تھا۔ جب اُس نے دروازے میں پاؤں رکھا، گر پڑا اور مر گیا۔ تبھی طبیب سے پوچھا کہ آپ نے اُس کو کس طرح مُردہ جان لیا۔ کہا کہ ہم نے خیال کیا کہ جمنا پر نہا کر اُس نے ہاتھ پر صندل لگایا تھا۔ کوس بھر سے دھوپ میں چلا آیا اور اب

تک نہ سُوکھا۔ بے گُمان اُس میں جان نہیں، اگر ہوتی تو ضرور سکھاتی۔ یہ بیرونی حرارت ہے جو لیے آتی ہے۔ جب وہ جوش، کمی کر جائے گا، گر پڑے گا اور مر جائے گا۔

حکایت: -اورنگ زیب عالم گیر نے نعمت خاں عالؔی سے پوچھا کہ ''تو ایک دن میں کتنی غزلیں کہہ سکتا ہے۔'' عالؔی نے جواب نہ دیا۔ شاہ نے دوبارہ کہا۔ پھر بھی چُپ رہا۔ تیسری بار شاہ نے برہم ہوکر کہا: ''تیرے کان نہیں یا مُنہ میں زبان نہیں۔ اور ہیں تو کٹوانا چاہتا ہے۔ بوچا اور گُونگا ہو جانا چاہتا ہے۔'' عالؔی نے کہا: ''متحیر ہوں کہ لاجواب ارشاد کا کیا جواب دوں۔ جو شاعر دو (۲) دن میں بھی اچھا ایک شعر کہہ لے غنیمت ہے۔ کئی غزل ایک دن میں کہنے کی تو کہاں نوبت پہنچے۔'' بادشاہ کہا: ''ہم تو شاعر نہیں لیکن کسی جائے قرار میں طبیعت یکسو ہو جاتی ہے تو ایک موزوں ہو جاتی ہے۔'' عالؔی نے ناک چڑھا کر کہا: ''قُربان جاؤں جو اُس جگہ غزل کہی جاتی ہوگی تو اُس میں ویسی ہی بُو بھی آتی ہوگی۔''

قطعہ : بے صبؔر شعر گوئی کسی فوں کا ہے نہ کام
اِس کو لطیف فہم اور ادراک چاہیے
تن پاک، جامہ پاک، مکان پاک، لقمہ پاک
دل پاک، روح پاک، زباں پاک چاہیے

لطیفہ: -ایک جوان اندھے حافظ سے قرآن پڑھا کرتا اور اس کی خوبصورت بیٹی کو دیکھا کرتا۔ حافظ جان گیا اور مسئلہ کہنے لگا کہ بدنظر کو قیامت کے دن خدا کا دیدار نہ ہوگا۔ جوان نے کہا کہ نابینا نیک نظر کو رویت ہو تو عجب ہے۔ بینا بدنظر کو دیدارِ الٰہی سے محروم رہنے کا کیا سبب ہے۔

لطیفہ: -ایک عابد گائے شیر دار رکھتا۔ اور اس کے پڑوس میں ایک کمہار حاسد کے گھر گدھا باربردار تھا۔ حاسد ہمیشہ دعا مانگتا کہ یارب عابد کی گائے مر جائے۔

قضا را اُس کا گدھا مر گیا۔ خفا ہو کر کہنے لگا کہ الٰہی تو نے ایک مدّت خدائی کی لیکن گائے اور گدھے کی اب تک پہچان نہ ہوئی۔

لطیفہ: -ایک شریر کسی بکری کو کاٹ کر کھا گیا۔ ایک شخص جو دیکھتا تھا۔ اُس سے بولا کہ حشر کے دن اُس کے کھانے کا مزا پاؤ گے۔ جب خدا مواخذہ کرے گا کیا جواب دو گے۔ کہا: ''میں مُکر جاؤں گا۔'' اُس نے کہا کہ ''مالک دعویٰ کرے گا اور بکری خود گواہی دے گی۔''

کہا: ''جب بکری حاضر ہوگی۔''

’’تو پھر ہم دہشت کس بات کی۔ بکری کو پکڑوں گا اور مالک کو دے دوں گا۔‘‘

لطیفہ:- ایک مرد کی جورُو لڑاکی تھی۔ ہمیشہ شوہر کو تنگ کرتی اور دِق رکھتی۔ جب بہت بیمار ہوئی۔ تو شوہر سے بولی کی ’’جو میں مرجاؤں گی۔ تُو میرے غم میں کیوں کر جیے گا۔‘‘ مرد نے کہا کہ ’’مجھے یہ فکر ہے کہ جو تو جان بر ہوگئی۔ میری زندگی تیرے ساتھ کس طرح بسر ہوگی۔ کیا کروں، کیوں کر جیوں گا۔‘‘

پند:- آج کا کام آج ہی کر، کل پر ملتوی نہ کر، اعتبار کل کا نہیں، کوئی وقت اَجل کا نہیں۔

پند:- آدمی کو چاہیے کہ مصیبت کے وقت ایسا نہ گھبراوے کہ وہم اور فکر کا مغلوب ہوجائے۔

خاتمۂ کتاب

شکر خُدا کا اور احسان کہ یہ رنگین ’’گلستانِ سیر گاہ صالح یعنی گلستانِ ہند، اُس کی کرم کی آب یاری سے سرسبز اور شاداب ہوا۔ اور یہ نو آئین بوستان اس کے فضل کے آب یاری سے تازہ اور سیراب، ہر داستان برائے خود ایک رنگارنگ کیاری ہے۔ کہیں پھول اور کہیں پھلواری ہے۔ زمین اس کی شگفتہ ہے۔ ہر روش روشن لُغات کی کانٹوں سے رفتہ ہے۔ ہر قطعہ میں رنگ آمیزی اور گُل کاری ہے۔ فصاحت کی نہر ہر طرف جاری ہے۔ موزون قمری شمشاد اور سَرو ہیں۔ لطیفے طاؤس اور نکتے تدرو ہیں۔ مضمونوں کے بدلے معانی کے گُل ہیں۔ طرز کے قمری محاورے کے بُلبل ہیں۔ اشعار کے اشجار، پندوں کے میووں سے پُر بار، نسیم خوش بیانی ہے۔ طبعِ موزوں کی باغبانی ہے۔ واہ واہ کیا گلزار ہے۔ جدھر دیکھوئ ہی بہار ہے۔ الٰہی اس باغ کو تُند بادِ انقلابِ دوراں اور گردش گرِدُوں کی خزاں سے اپنی عنایت کے سایۂ ابر میں محفوظ رکھے۔

قطعہ : بس اے بے صبر کر اب زیادہ نہ اپنی گفتگو
سبب نازک مزاجوں کے ملال دل کا ہو شاید
ارے چُپ رہنے میں بھی ایک بات آخر نکلتی ہے
خموشی معنی دارد کہ درگفتن نمی آید

بعونہٖ تعالیٰ: تاریخ یکم اپریل سن ۱۸۷۱ء
سہارن پور میں تمام ہوئی

□□□

نوٹ:- ’’گلستانِ ہند‘‘ کا مخطوط میری ذاتی لائبریری ٹورنٹو میں موجود ہے۔

* ''کلیاتِ بےصبؔر'' قلمی میرے ذاتی کتب خانے میں کوئی بیس سال سے موجود ہے۔ یہ مخطوط ساری دُنیا میں صرف ایک ہے اور اس کی فہرست جو گپتا صاحب نے بتائی ہے، ہو بہ ہو ہے، اس لیے شاید یہ نسخہ ان کے مطالعے میں تھا۔ چناں چہ ہم یہاں ان کے کوائف کو ہو بہ ہو رکھتے ہوئے اس میں انتخاب اور دیگر اضافات کر رہے ہیں۔ بہت جلد راقم پورے کلیات کو جو ضخیم ہے ضروری حوالہ جات اور تشریحات کے ساتھ شائع کرے گا۔

''کلیاتِ بےصبؔر (قلمی)''

(کوائف)

یہ ضخیم مجموعۂ اشعار ۲۱۲ اوراق پر محیط ہے۔ پہلے ورق پر عربی اور اُردو اعداد میں تفصیلات درج ہیں۔ ورق ۲ اور آخری ورق ۲۱۲ کا ایک ایک صفحہ خالی ہے۔ اِس طرح کلیات کا متن ۲۱۰ اوراق (یعنی ۴۲۰ صفحات) پر پھیلا ہوا ہے۔ سب سے آخری ورق (صفحے) پر متفرق اشعار ہیں۔ آخری پانچ شعر پڑھے نہیں گئے۔ اُن سے پہلے مصرعے ہیں ؎

ہوگئی رخصت خزاں، آئی بہار
رُخصت اے زندانیاں! آئی بہار
پھر بسیرِ گُلستاں، آئی بہار
مُژدہ اے دیوانگاں! آئی بہار

ورق ۱۰۳ تک غزلیں ہیں۔

فتحِ مصر کا قصیدہ ۱۸۸۲ء کا کہا ہوا ہے۔ وہ اس میں شامل ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کلیات کی ترتیب ۱۸۸۲ء میں یا اس کے بعد ہی عمل میں آئی ہوگی۔

غزلوں کے بعد ورق ۱۰۳ سے ورق ۲۱۲ تک کلیات کے کوائف یہ ہیں۔

متفرقات	ورق
ترجیع ترصع بند عاشقانہ	۱۰۳
ترصع بند تصوّف	۱۰۵
ترکیب بند قسم اوّل کا	۱۰۶

ترکیب بند قسم دوم کا	۱۰۸
ترکیب بند نوحہ بینی سروپ پسر خوردِ بےؔصبر ستم رسیدہ	۱۰۹(۷۷شعر)
مخمس برغزل فارسی مرزا تفتہؔ	۱۱۱
مخمس برغزل فارسی حافظؔ شیرازی	۱۱۲
مخمس بہ زبان بھاکھا رام بان برغزل امیر خسروؔ	۱۱۲
مخمس بہ زبان اردو برغزل فارسی تفتہؔ	۱۱۳
مخمس بہ زبان اردو برغزل سعدیؔ	۱۱۴
مخمس بہ غزل رندؔ	۱۱۵
مخمس برغزل حافظؔ (مزاحیہ)	۱۱۵
مخمس برغزل فارسی تفتہؔ صاحب	۱۱۶
مخمس برغزل مصحفیؔ	۱۱۷
مخمس برغزل بےصبرؔ	۱۱۸
مخمس درمناقب حضرت علیؑ	۱۱۸
مسدس درمناقب حضرت علیؑ	۱۱۹
مسدس درمناقب حضرت علیؑ	۱۲۰
مسدس برغزل جرأت	۱۲۱
مثلث	۱۲۱
مربّع موسمِ برسات	۱۲۱
مربّع زبان بھاکا برسات بطور چار بیت	۱۲۲
مسبّع عاشقانہ	۱۲۲
مثمن در وصف بست	۱۲۳
متشع عاشقانہ، برسات کا مستانہ ترانہ	۱۲۳
معّشر	۱۲۴
مستزاد	۱۲۴
دیوانِ رباعیات مسّمی بہ چار عنصر (۱۱۰ رباعیات)	۱۲۵تا۱۳۱

قطعات (اس میں بہت سے تاریخی قطعات بھی ہیں)	۱۳۲ تا ۱۳۸
قعائد:	
۱۔ درتعریف ہندوستان مسمّی بہ نوبہار (۵۰ بیت)	۱۳۸
۲۔ زرفشاں (۸۲ بیت)	۱۳۹
۳۔ درمدح مہاراجہ بنارس اسیری نرائن سنگھ (۳۷ بیت)	۱۴۲
۴۔ درمدح مہاراجہ رنبیر سنگھ والی جموں وکشمیر (۹۵ بیت)	۱۴۳
۵۔ درتعریف شاہ درویش مسمّی سراپا ناز (۱۰۰ بیت)	۱۴۶
۶۔ صنعت معطّل یعنی بےنقط (۲۰ بیت)	۱۴۹
۷۔ نوکِ نشتر (۳۸ بیت)	۱۵۰
۸۔ دُرِ پرآب (۳۷ بیت)	۱۵۱
۹۔ نیرنگِ خیال (۵۴ بیت)	۱۵۲
۱۰۔ سرورافزا (۹۰ بیت)	۱۵۳
۱۱۔ دلفریب تہنیّت عید (۱۱۶ بیت)	۱۵۶
۱۲۔ پرکالۂ آتش بمدح غالبؔ (۴۱ بیت)	۱۵۹
۱۳۔ سدرہ۔توحید میں (۲۵ بیت)	۱۶۰
۱۴۔ سراکبر توحید میں (۶۰ بیت)	۱۶۱
۱۵۔ بوقلمون (۴۲ بیت)	۱۶۲
۱۶۔ رنگارنگ (۵۶ بیت)	۱۶۳
۱۷۔ درمدح مرزا تفتہؔ (۵۳ بیت) صرف ۴۹ شعر۔ ۴ شعر صفحہ ۱۶۶ کے غائب ہیں	۱۶۵
۱۸۔ اعجازسخن (کل ۱۱۴ شعر ہوں گے مگر صفحہ کم ہونے کی وجہ سے اب صرف ۴۷ باقی ہیں)	۱۶۶
۱۹۔ شورِمحشر (۵۵ بیت)	۱۶۹
۲۰۔ دمِ سیر دتعریف زمستان (۵۳ بیت)	۱۷۰
۲۱۔ آوازِغیب (۵۰ شعر)	۱۷۱

۲۲۔ دودِ دل۔ مدحِ غالبؔ (۵۲شعر) ۱۷۳
۲۳۔ سرودِ مستان (۴۵شعر) ۱۷۴
۲۴۔ شمشیرِ تیز (۴۴شعر) ۱۷۵
۲۵۔ مردم دیدہ (۵۰شعر) ۱۷۶
۲۶۔ آتش کدہ تعریف موسم تابستان (۶۰ شعر) ۱۷۷
۲۷۔ سودائے سر (۶۱ شعر) ۱۷۹
۲۸۔ نالۂ موزوں (۵۵شعر) ۱۸۰
۲۹۔ نُور علیٰ نُور (۴۱شعر) ۱۸۱
۳۰۔ تیغِ برہنہ۔ مبارک بادِ فتح افغانستان بحضور لارڈ لٹن گورنر جنرل بہادر
۱۲؍جون ۱۸۷۹ء۔ ۱۰؍جولائی ۱۸۷۹ء کو روانہ کیا (۸۳شعر) ۱۸۲
۳۱۔ خوش ترانہ۔ بنام منشی گورنری۔ ۲۴؍جولائی ۱۸۷۹ء کو روانہ (۴۰شعر) ۱۸۴
۳۲۔ عاشقانہ (۳۰شعر) ۱۸۵
۳۳۔ دل پسند۔ ملکۂ معظّمہ (۴۰شعر) ۱۸۶
۳۴۔ شعلۂ آہ (۵۶شعر) ۱۸۷
۳۵۔ عاشقانہ (۳۸شعر) ۱۸۸
۳۶۔ قندِ مکرّر۔ تعریفِ حضرتِ غالبؔ و تفتہؔ صاحب میں (۴۴شعر) ۱۸۹
۳۷۔ خونچکاں (۵۵شعر) ۱۹۰
۳۸۔ آبِ بقا (۴۱شعر) ۱۹۱
۳۹۔ بدرالدجیٰ (۴۲شعر) ۱۹۲
۴۰۔ عاشقانہ (۳۰شعر) ۱۹۳
۴۱۔ دربار۔ دربار ۱۵؍نومبر ۱۸۸۰ء لارڈ رپن گورنر جنرل ہند (۴۱شعر) ۱۹۴
۴۲۔ نوعروس۔ یہ تہنیت شادی برخوردار سری رام چندر سروپ
(۳۴شعر) (نبیرۂ بےصبرؔ) ۱۸۸۰ء (اپریل، مئی) ۱۹۵
۴۳۔ شمس الضحیٰ (۳۱شعر) ۱۹۵
۴۴۔ مجمع البحرین (۴۵شعر) ۱۹۶

۴۵۔ گنجینۂ معانی (۴۸شعر) ۱۹۷
۴۶۔ بر بحر نما (۸۴شعر) ۱۹۸
۴۷۔ دُرالتاج۔ ملکۂ معظّمہ (۲۳شعر) ۲۰۰
۴۸۔ جہانجو (۳۷شعر) ۲۰۰
۴۹۔ عزیزِ مصر۔ فتح مصر پر۔ لارڈ رپن گورنر جنرل تھے۔
۲/جنوری۱۸۸۲ء (۷۰شعر) ۲۰۱
مثنویات متفرق:
حکایت مجنوں ۲۰۳
حکایت مفلس ۲۰۳
حکایت شیر بچّہ ۲۰۴
حکایت منصور حلاّج ۲۰۵
حکایت پیر و مرید ۲۰۵
مثنوی۔ بیچ خدمت سرمشتہ پرمٹ کے ۲۰۶
حکایت پیر و مرید ۲۰۹
افراد (متفرق اشعار) ۲۱۱

نمونۂ غزلیات

جب کہ بسم اللہ وصفِ عارض جاناں ہوا
مطلع خورشید اپنا مطلع دیواں ہوا
کرتے کرتے خود پرستی ہوگیا میں حق پرست
کُفر حد سے جب کہ گذرا بس وہی ایماں ہوا
پانی میں ڈالا مرے دستِ جنوں نے کرکے خاک
کل تلک جو تھا گریباں آج وہ داماں ہوا
تنگ ہوں میں اپنی وحشت سے کہ صحبت سے مرے
تنگ یاں تک آگیا صحرا کہ خود زنداں ہوا

شعر سُن کر جس کو دیوانہ کہا کرتے تھے آپ
اب وہی بے صبرؔ دیکھو صاحبِ دیواں ہوا

◆◆◆

لے کے تیغِ کیں وارد، جب وہ تند خو ہوگا
کون ہے سوا میرے جو کہ روبرو ہوگا
گر وہ تشنہ خوں کا ہے یہ پیاسا پانی کا
ایک دن ترا خنجر اور میرا گلو ہوگا
حرص سے تہی تھا دل جب کہ آیا عشق اُس میں
خالی از ہوا ہوگا جب کہ پر سُبو ہوگا
ہووے گا کوئی بے صبرؔ آج قتل واں بے شک
تُو نہ ہوگا میں ہوں گا، میں نہ ہوں گا تو ہوگا

عیاں جب اپنا فروغِ جمال تو نے کیا — تمام کردیا مہ کو کمال تو نے کیا
بنایا سرو چراغاں بفرطِ داغ اے عشق — بس اب تو مجھ کو سراپا نہال تو نے کیا
ہوا خوشی سے میں تیرے سبب تصّور یار — شبِ فراق کو روزِ وصال تو نے کیا
دوبارہ طور کو اے شعلہ رو جلایا ہے — عیاں جو سرمہ سے عارض پہ خال تو نے کیا
کسی کا کرکے دلا وصف لب کا اب دعویٰ — زبان کو میری جوں شمع لال تو نے کیا

قدم کو ہاتھ لگاتا تھا بہر عفوِ گناہ
کچھ اور دل میں عبث احتمال تو نے کیا

◆◆◆

استاد ذوقؔ کی غزل کے مطلع ؎

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیّاد کا

پر دس اشعار کی غزل لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

شوق اس کو ہے شکارِ بُلبُل ناشاد کا
خوب شکرہ ان دنوں میں تیز ہے صیّاد کا

مجھ کو مارا زخم پر رکھوا کے پھایا زہر کا
کام وہ لینے لگا جرّاح سے جلّاد کا
جسم لاغر جب نہ دیکھا طائر ناشاد کا
دیکھ کر پنجرے کو طوطی اُڑ گیا صیّاد کا
حاصل اس کے انتہائے ذکر کا ہے خامشی
خود فراموشی نتیجہ ہے کمالِ یاد کا
بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بےؔصبر میں
ریزہ چیں خوانِ نعمت ذوقؔ سے استاد کا

◆◆◆

اس قدر دل میں رات درد ہوا — کہ سحر ہوتے ہوتے سرد ہوا
آتے ہی آمدِ خزاں کی خبر — رنگِ رُوئے بہار زرد ہوا
مجھ کو وحشت کا جب خیال بندھا — گھر میں بیٹھے جہاں نورد ہوا
دی صبوحی میں درد ساقی نے — کہ فزوں میرے سر میں درد ہوا
کثرتِ کشتگاں سے کوچۂ یار — غیرتِ عرصۂ نبرد ہوا

◆◆◆

بےؔصبر نے یہ غزل قلندر بخش جرات کی غزل پر کہی ہے۔

نہ گیا مرکے بھی نظروں میں سمانا اپنا
گورنے مردمِ دیدہ مجھے جانا اپنا
ایسے سوویں گے شبِ ہجر کے جاگے اک روز
ہوگا محشر میں بھی دشوار جگانا اپنا
مل کے دل اُس سے ملا ہم سے نہ پھروائے نصیب
نِکلا بیگانہ وہ ہم نے جسے جانا اپنا
دن کہیں رات کہیں صبح کہیں شام کہیں
ہو تو بتلائیں کہیں ٹھور ٹھکانہ اپنا

تیرا احسان نہ بھولوں گا کبھو شوقِ جفا
کام تھا تیرا ہی یاد اُس کو دلانا اپنا
جا بیٹھانا مجھے دروازے پہ اس کے بے صبر
فتنہ بیٹھ جانا قیامت ہے اٹھانا اپنا

◆◆◆

کعبے کا شیخ ہوں نہ برہمن کنشت کا
ساجد نہیں ہوں میں بخدا سنگ وخشت کا
اہلِ رضا کو فہم نہیں خوب و زشت کا
تارک جہیم کا ہوں نہ طالب بہشت کا
مجھ کو زمانہ خاک بسر رکھتا ہے مگر
خطِ غبار خط ہے مری سر نوشت کا

◆◆◆

ذیل کی غزل بے صبر نے مبتلا کی غزل کے مطلع پر کہی۔

نہ کوہ سے نہ زمیں سے نہ آسماں سے اٹھا
یہ عشق وہ ہے کہ مجھ سے ہی ناتواں سے اٹھا
جہاں میں بیٹھوں ہوں دیتا ہے وہ وہاں سے اٹھا
بس اب تو لے مجھے اللہ تو جہاں سے اٹھا
زباں پہ کس لبِ شیریں کا ذکر یہ آیا
مزا جہان کی چیزوں کا جو زباں سے اُٹھا
نقاب اس نے اُٹھایا تو مَیں ہوا بے خود
دُوی کا پردا تھا گویا جو درمیاں سے اُٹھا
جہاں ہو زیر و زبر کیوں نہ ایسے ظلموں سے
گرایا تیغ سے سر اور لیاسناں سے اُٹھا
بیان میں نہیں آتا ہے کچھ مُیاں بے صبر
جو کچھ کہ لطفِ سخن آپ کے بیاں سے اُٹھا

◆◆◆

بے صبرؔ کی یہ پندرہ شعروں کی غزل ناسخؔ کی غزل کے مصرعے ''بعد ازاں گوہر فروغِ رخ سے اخگر ہوگیا'' پر ہے چند شعر یہ ہیں ؎

مرتبہ افتادگی سے اپنا برتر ہوگیا
ابر نیساں سے گرا جو قطرہ گوہر ہوگیا
فصلِ گل میں جب کھلے گل اور ہوا جوشِ جنوں
میں برنگِ بوے گل جامے سے باہر ہوگیا
خال رخ اس کا سیہ بختوں کا اختر ہوگیا
نقطۂ واحد تھا کثرت پا کے دفتر ہوگیا

کون سا آپ کا کہا نہ کیا | وہ تو فرماؤ ہم نے کیا نہ کیا
کب ترے در پہ خون بہا نہ کیا | تو نے پر خوفِ خوں بہانہ کیا
تو نے سمجھا مجھے برابر غیر | سب برابر ہُوا کیا نہ کیا
میں نے پایا نہ اختیار اُس پر | جب تلک ترکِ مدّعا نہ کیا

◆◆◆

جرأتؔ کی غزل پر غزل کہی ہے ؎

عکس اس میں جو پڑے لبِ رشکِ نبات کا
ہو جام بادہ میں اثر آبِ حیات کا
ہوتا یہ قطع سلسلہ ہوتا اگر نہ تو
مطلع مگر ہے تو غزلِ کائنات کا
تو سادہ لوح غیر سے ہے دل میں راست باز
کاغذ سے واسطہ ہے قلم اور دوات کا
بے صبرؔ گھر کو دونوں کی پروا نہیں ضرور
محتاج کب ہے خیمۂ گردوں قنات کا
عہد اپنے میں کیا کوہکن و قیس کا ہے ذکر
طے ہوگیا ہے قصّہ ہی عرب اور عجم کا

اے دل سخنِ راز کو لانا نہ زباں پر
سر حرف زون میں یہاں کٹتا ہے قلم کا
جوں شمع زباں سوختۂ آتشِ تسلیم
شاکی نہ ستم کا ہے نہ شاکر ہے کرم کا
آنکھوں نے مری فرش تری راہ میں رہ کر
سب نقشہ اُڑایا ہے ترے نقشِ قدم کا
منہ میرا سیا شکر کرم کے عوض اُس نے
بے صبؔر ہو کس منہ سے گلا اس کے ستم کا

◆◆◆

نے رہا مَیں نے گریباں نے جنوں باقی رہا
پر گریباں کا مری گردن پہ خوں باقی رہا
ہاتھ میرا اور ترا دامان ہوگا روزِ حشر
پیرہن میں تار گردستِ جنوں باقی رہا
نزع میں کیا دیکھتا ہے غور سے اے بدگماں
اب نہ کچھ مجھ میں بجز حالِ زبوں باقی رہا
خفتگانِ خاک پر بے صبؔر آفت لائے گا
بعدِ مردن بھی اگر دردِ دروں باقی رہا

◆◆◆

بہار آئے عنادل نے مل خروش کیا
بدن میں خوں نے صراحی میں مَے نے جوش کیا
زہے زہے میرے ایمان و دیں کہ میں نے اُنھیں
فدائے فرقِ خُم و پائے مَے فروش کیا
نقاب مُنہ سے اُٹھا کر یہ کس نے دی آواز
کہ دفتاً ہمہ تن مجھ کو چشم و گوش کیا

نکل گیا تھا لہو میرے تن کا رونے میں
رہا تھا جو کوئی قطرہ سو غمِ نے نوش کیا
کلام کیوں نہ ہو بے صبر میرا مستانہ
کہ جام ہے خُمِ حافظ سے میں نے نوش کیا

◆◆◆

جو شدّت سے دل میں قلق ہوگیا | مرے چہرے کا رنگ فق ہوگیا
جو اُس شمع روکو لکھا سوزِ دل | تو پروانہ خط کا ورق ہوگیا
ذرا میں جو تڑپا تو زیر و زبر | زمین آسماں کا طبق ہوگیا
اُڑا رنگ میرا جو شامِ فراق | وہی آسماں پر شفق ہوگیا
ہوا اس قدر خانۂ دل خراب | کہ اِک وادیِ لق ودق ہوگیا
تڑپنے سے بے صبر کے زیر خاک | کہن گنبد چرخ شق ہوگیا

◆◆◆

نہ کعبے میں نہ بُت خانے میں دیکھا | سماں جو دل کے کاشانے میں دیکھا
ہمیں وحدت سے کثرت ہیں یہ جاتا | جو جاکر آئینہ خانے میں دیکھا
جو جلوہ دشتِ دل کے ودے میں ہے | نہ معمورے نہ ویرانے میں دیکھا
کرے وہ گُل اسے یا اُس کو وہ خاک | یہ کینہ شمع پروانے میں دیکھا

◆◆◆

تیرا لیتا کیا تھا میں باغباں نہ ہی آہ کرتا تھا نے فغاں
ہو خراب تیرا بھی خانماں میرے آشیاں کو جلا دیا
مجھے اپنے در پہ وہ دیکھ لگا کہنے ہاتھ پہ ہاتھ دھرا
کہ خدا ہی جانے ہمارا گھر اُسے کس نے آج بتا دیا
وہ نہ آیا جب کہ دلِ پسین تو اک آہ ایسے بھری وہیں
کہ وہاں کے جتنے تھے حاضریں بخدا سبھوں کو رُلا دیا
غزل اور دوسری بھی کہوں نہیں مجھ کو صبر جو چپ رہوں
یہی نام مرا ہے کیا کروں یہی نام میں نے بتا دیا

◆◆◆

خواب میں بھی نہ یہ خیال ہوا　　کہ میرا یار سے وصال ہوا
ضعف سے اب یہ اپنا حال ہوا　　کہ بیاں ضعف کا محال ہوا
میکشی کو حرام کہتا ہے　　خونِ زاہد ہمیں حلال ہوا
ہوں میں پامال مثلِ تازہ نہال　　ہو کے پیدا میں کیا نہال ہوا
پاؤں پکڑا تھا بہرِ عذر گناہ　　اُس کو کچھ اور احتمال ہوا

◆◆◆

مانگ پیشانی سے چوٹی تک نکالی اُس نے جب
شرق سے تاغرب رستہ ایک سیدھا ہوگیا
ایک دو ہی اشک ٹپکے تھے کہ مارے شرم کے
پانی پانی سامنے آنکھوں کے دریا ہوگیا
بات بھی مُنہ سے نہیں نکلی کہ سارے شہر میں
شہر سے میرے نکلوانے کا شہرا ہوگیا

◆◆◆

تابِ نظارہ نہیں آنکھوں کو اس کے روبرو
نور بھی اُس مہروش کا اُس کا پردا ہوگیا

◆◆◆

اُس کوچے میں جائیں گے نہ ہم ہم سے نہ ہوگا
کیا کھائیں قسم پاسِ قسم ہم سے نہ ہوگا
شکوہ ترا زنہار رقم ہم سے نہ ہوگا
گر ہاتھ بھی ہو جائیں قلم ہم سے نہ ہوگا
تہمت ہمیں شکوہ کی لگا کر نہ ستم کر
ہرگز گلۂ ظلم و ستم ہم سے نہ ہوگا

◆◆◆

تجھ کو جب ہم سے کام ہووے گا　　کام اپنا تمام ہووے گا
عازمِ کشورِ عدم ہے جان　　آج لب پر مقام ہووے گا

فال لیں ہم کلام حافظؔ سے کہ وہ کب ہم کلام ہووے گا
بعد اپنے دل اپنا واں بے صبرؔ اپنا قائم مقام ہووے گا

◆◆◆

اک نظر کا سوال ہے نہ سہی کبھو ہم سے بھی کام ہووے گا
کام میرا تمام کر کہ مرا کام اور تیرا نام ہووے گا
ماہ کو اونچ نیچ سوجھے گی جب وہ بالائے بام ہووے گا

◆◆◆

تاباںؔ کی غزل پر بے صبرؔ کی غزل دیکھیں۔

جو چاہو سو کوئی ہم سے کہو ہوا سو ہوا
دل اب تو دے چکے جو سو ہو ہوا سو ہوا
دعا جو دی خطا کی یہ مَیں نے، آپ مجھے
بُرا بھلا کہو دشنام دو، ہوا سو ہوا
وہ ذکرِ قتل سے اب میرے ڈر کے کہتا ہے
خدا کے واسطے چپ ہو رہو ہوا سو ہوا
تو ہنس پڑے تھا جو کہتا تھا میں تو رووَں گا
دل اب تو چاہے ہنس اور چاہے رو ہوا سو ہوا
منا کہ آج کہا اس نے ہم سے یوں بے صبرؔ
پیالہ ہاتھ سے تو میرے لو ہوا سو ہوا

◆◆◆

گر گزر نالے کا دل سے لب تلک ہو جائے گا
ارض جائے گی اُلٹ اور شق فلک ہو جائے گا
شور مرہم نے مرے زخموں میں ڈالا سچ ہی تھا
جائے گا کانِ نمک میں جو نمک ہو جائے گا
لے چلو میرا جنازہ کوے خوباں کی نہ راہ
ہے یقین اُس بدگماں کو اور شک ہو جائے گا

◆◆◆

جُدا ہر فرقہ ہوگا حشر کے دن تیرے یاروں کا
پریشانوں کا حیرانوں کا، بیزاروں کا زاروں کا
اُٹھا اے جوشِ وحشت پاؤں تو بھی چل بیاباں کو
کہ سر پے طوران روزوں میں کچھ اُٹھا ہے خاروں کا
جو پوچھا مسکنِ بے صبؔر تو رو کر لگا کہنے
کہ شہرِ میں ہے اک محلّہ دل فگاروں کا

◆◆◆

اشک یوں اپنی چشم تر سے گرا — طفل جوں باپ کی نظر سے گرا
سو جگہ میں ضعیف تا درِ یار — جاتے جاتے کل اپنے گھر سے گرا
دیا جب بزم سے مجھے اُٹھوا — کھا کے ٹھوکر میں سنگِ در سے گرا
سدرہ سے خاک پر گرا پئے فیض — ثمرِ پختہ ہوں شجر سے گرا
لختِ دل روتے روتے اے بے صبؔر — قطرِ اشک اپنی چشم تر سے گرا

◆◆◆

تجھ سا نہیں جہاں میں خونریز دوسرا — پیدا ہوا کہاں سے تو چنگیز دوسرا
لیلیٰ سے دو نامرتبہ شریں کا ہے کہ ایک — فرہاد عاشق اس کا ہے پرویز دوسرا
سینے میں میرے ہے جو دلِ داغ دارِ عشق — یہ شمس دوسرا ہے یہ تبریز دوسرا
غالبؔ کو کیوں ظہوریؔ ثانی نہ جانیے — دلّی کو کیوں سمجھئے نہ ترشیز دوسرا
تیرا لب اور میرا لبِ جام اور ہے — ہے ایک پُرشکر، نمک آمیز دوسرا
بے صبؔر جا کے مکتب طفلاں میں کیا کروں — بے شین کہے ہے ایک تو برخیز دوسرا

◆◆◆

خواب سا ہوگیا وہ شام سے آ کر سونا — لب سے لب سینے سے سینے کو ملا کر سونا
ہاتھ دے مارتے ہیں آتا ہے جب یاد اس کا — سر تلے ہاتھ ہمارے کو وبا کر سونا
گر خدا دیوے تو مَے پینا ہے دُنیا کا مزا — اور کسی پیارے کو چھاتی سے لگا کر سونا
اپنا وہ سونا اور اس کا وہ جگا کر کہنا — کہ لگے ہے مجھے ڈر مجھ کو سُلا کر سونا
چہرہ سانچے میں ترا ڈھالا ہے اتنے چمپئی رنگ — حسن کا زرگر قدرت نے گلا کر سونا

کچھ نہ کچھ کرتے ہیں خیرات بھی پا کر سونا
پایا زر داغ کا اور صبر لٹایا بے صبرؔ

◆◆◆

بے صبرؔ کی یہ غزل جرأتؔ کی غزل پر لکھی گئی ہے۔

وہ چھپ کر ہمیں دیکھ جانے لگا
یہ دیوانہ پن کام آنے لگا

لہو بدلے آنسو کے آنے لگا
ترا گریہ اب رنگ لانے لگا

عقیقوں نے اپنا کیا منہ سیاہ
مسی جب وہ لب پر لگانے لگا

دیکھا کر شکم سینہ اک دن مجھے
وہ پست و بلند اب دکھانے لگا

لگا بت سے بے صبر دل مجھ کو آہ
دیا کیا کیا مرض یہ خدا نے لگا

◆◆◆

بجا ہے وہ بت گر نہیں بولتا
سنا ہے بتوں کو کہیں بولتا

ذرا منہ سے کچھ مہ جبیں بولتا
نہ کوئی کہے بُت نہیں بولتا

خموشی پہ ہم اپنی کرتے نہ ناز
اگر ہم سے وہ نازنین بولتا

جو کہتا ہوں میں مجھ سے منہ تو بول
تو کہتا ہے وہ مَیں نہیں بولتا

نہ جاتا میں شہرِ خموشاں میں گر
وہ مجھ سے دم واپسیں بولتا

دہن حق گر اُس بُت کو دیتا تو صاف
انا الحق وہ آشوب دیں بولتا

کہے صاب بے صبرؔ کیونکر کے ہے
وہ تتلا کے طفلِ حسیں بولتا

◆◆◆

گر دوست بھی سو جفا کرے گا
دشمن بے چارہ کیا کرے گا

جب بند قبا وہ وا کرے گا
گُل چاک اپنی قبا کرے گا

کرکے کوئی چاہ کیا کرے گا
فریاد و فغان کیا کرے گا

داغ اپنا چراغِ خانۂ دل
تا صبحِ ابد جلا کرے گا

جز بے کسی اپنا اور ہے کون
جو دعویِ خوں بہا کرے گا

سرگشتگی کی نہ راہ ہو طے
جب تک کہ نہ سر کو پا کرے گا

جب کٹ کے گرے گا اُس کے پا پر
سر سجدۂ شکر ادا کرے گا

جب عمر ہی بے وفا ہے بے صبرؔ
پھر کون بھلا وفا کرے گا

◆◆◆

ہر طرف سے اب ترے عاشق کے اوپر دار ہے
تیر پر ہے تیر اور تلوار پر تلوار ہے
میرا سر ہے وار پر سر عاشقوں کا خاک پر
شکر ہے سارے سروں کا میرا سر سردار ہے
داغ داغ اپنا جگر ہے دل ہمارا ریش ریش
بندہ رشکِ لالہ زار و غیرتِ گلزار ہے
کیا کروں جاؤں کہاں کس سے کہوں بے صبرؔ حال
نے کوئی مونس ہے میرا نے کوئی غم خوار ہے

◆◆◆

ہے جہاں میں صورتِ اہلِ زمانہ ہر دم اور
خانۂ آئینہ میں ہے اہلِ خانہ ہر دم اور
گہہ حنا گہہ غسل ہے گہ خواب گہہ کیف شراب
ہے وفائے وعدہ میں اس کو بہانہ ہر دم اور
گہہ جگر گہہ دل ہے گہہ سینہ ہے گہہ پہلو غرض
ناوک قاتل کو میرے ہے نشانہ ہر دم اور
اس غزل کو پھر پڑھو بے صبرؔ صاحب ایک بار
لطف دیتا ہے کلامِ عاشقانہ ہر دم اور

◆◆◆

سنتے ہیں اس کے کوچے میں ہے قتلِ عام آج
گر سچ ہے یہ تو کام ہے اپنا تمام آج
مڑ کر اِدھر کو دیکھو مَیں قربان جاؤں ہائے
نام خدا ہے تجھ پہ عجب دھوم دھام آج

آئے نہ تم جو شام سے لے تا بہ صبح کل
رویا کیا میں صبح سے لے تا بشام آج
دیکھیں قیامت آئے ہے کیا اپنی جان پر
سینے میں پھر نہیں مرے دل کو قیام آج
گھبرایا اس قدر کہ نکل کر چلا ہی تھا
مشکل سے میں نے دل کو رکھا تھام تھام آج
وعدہ جو شام کا ہے تو بے تابیوں سے ہم
شامت میں ہیں کہ دیکھیے کب ہوگی شام آج
بے صبر حال اپنا جو دیکھا کمال تنگ
رونے لگے مسیح علیہ السّلام آج

♦♦♦

متفرقات

غزلوں کے کچھ منتخب اشعار یہاں پیش کیے جاتے ہیں

اختیاری ہی نہیں مرگ و وصال اے دل تو خیر
جس طرح دن زندگی کے کٹ سکیں ناچار کاٹ
گر تری محفل میں لاؤں میں زباں پر حالِ دل
شمع ساں میری زباں کو تو دمِ گفتار کاٹ

♦♦♦

دل کو یا آباد راج کر — جو تجھے کرنا ہو کل سو آج کر
شیخ گر چاہے تو خُلد بریں — پیروئ صاحبِ معراج کر

♦♦♦

مجمع الاحباب ہے تربت مری — رہتے ہیں آٹھوں پہر محبوب جمع
اُس زمین پر آسماں کو رشک آئے — جس جگہ ہوں طالب و مطلوب جمع
قیس، وامق، حضرت، فرہاد، ہم — دشتِ وحشت میں ہیں سب مجذوب جمع

♦♦♦

دل مل رہے ہیں پر نہیں کر سکتے گفتگو
ہم کو اِدھر ادب اُدھر اُس کو حجاب ہے

◆◆◆

نہ کسی یار سے نہ ہمدم سے   دوستی اب تو ہے فقط غم سے

◆◆◆

سرتاپا داغدار ہیں ہم   گویا ہمہ تن بہار ہیں ہم
دل ریش، جگر فگار ہیں ہم   گلزار ہیں لالہ زار ہیں ہم
ہر دم مئے عشق سے ہیں بے ہوش   کہیے کچھ ہوشیار ہیں ہم
مرنا بھی نہیں ہے اختیاری   ایسے بے اختیار ہیں ہم

◆◆◆

اس طرح پی کے وہ شراب چلے   جوش میں اپنے جیسے آب چلے
یوں وہ پردے میں پھرتے چلتے ہیں   جیسے بدلی میں آفتاب چلے
اُس کے کوچے میں ہونے کو کافر   آج جاتے ہیں شیخ و شباب چلے
اس طرح صبر دل میں آتا ہے   چور جوں پاؤں داب داب چلے

◆◆◆

ہم نے مرنا بھی اختیار کیا   لیک وہ بھی نہ اختیاری ہے

◆◆◆

زلف اُس کے قد سے کہتی ہے کر کے برابری
گومی کا تُو ہے دن تو میں جاڑوں کی رات ہوں
آئینہ دیکھ کر ہوا ثابت مجھے کہ میں
نقش برآب کی ہی طرح بے ثبات ہوں

◆◆◆

شعر گوئی کو اب فراغ کہاں   میں کہاں دل کہاں دماغ کہاں
جگرِ داغدار ہے بس ہے   دل میں اب حرصِ سیرِ باغ کہاں
شعلے نکلے ہیں سنگِ قبر کو توڑ   میری تربت پہ ہے چراغ کہاں

◆◆◆

قصیدہ در تعریف ہندوستان مسمّیٰ بہ نو بہار (۵۰ بیت)

خطّۂ دل نشیں ہے ہندوستاں — خال روئے زمیں ہے ہندوستاں
دل نشیں کیوں سواد ہے اس کا — گر سویدا نہیں ہے ہندوستاں
دو طرف بحر و یک طرف ہے سندھ — یک طرف تا بہ چیں ہے ہندوستاں
مرد و زن یاں کے حور و غلماں ہیں — رشکِ خلد بریں ہے ہندوستاں
یاں کے عارف جہاں میں ہیں مصروف — مجمع العارفیں ہے ہندوستاں
قتلِ نفس کمینہ خو کے لیے — خوب جائے کمیں ہے ہندوستاں
یاں کے آہو ہیں شیر و شیر آہو — بیشۂ مہر و کیں ہے ہندوستاں
گرچہ یاں نیش و نوش ہے نہ ولے — مگس انگبیں ہے ہندوستاں
پہلوان و حکیم و عارف سے — کبھی خالی نہیں ہے ہندوستاں
خانہ ویرانہ کا بھی ہے آباد — یک مکاں صد مکیں ہے ہندوستاں
سیم و زر لعل و دُر کی کاں ہیں دکان — معدن آن و این ہے ہندوستاں
قدرتی قلعے اس میں ہیں لاکھوں — سخت حصنِ حصیں ہے ہندوستاں
ہے تواریخ ہند سے ظاہر — کہ بہت اولیں ہے ہندوستاں
یہیں برہما تھا جدّ ہر دو جہاں — دو جہاں آفریں ہے ہندوستاں
آفرینش ہوئی یہیں سے شروع — لایق آفریں ہے ہندوستاں
یہیں آدم کا بھی نزول ہوا — متبرک زمیں ہے ہندوستاں
اسی باعث جہاں کے انساں سے — نہیں خالی کہیں ہے ہندوستاں
یہاں سب آتے ہیں اور یاں کا بشر — چھوڑ جاتا نہیں ہے ہندوستاں
باز گردد بہ اصلِ خود ہر چیز — مرجع عالمیں ہے ہندوستاں
گئے عالم میں یاں سے فن و علوم — جانِ فرنگیاں ہے ہندوستاں
عالم نور کہہ اسے کہ نہ یہ — عالم ماوطیں ہے ہندوستاں
ہر زباں میں ملے ہے اس کے لغت — مخرج رسم و دیں ہے ہندوستاں
اس خطابی کہ ہے خطا سے قریں — چین سی بر جبیں ہے ہندوستاں

سُن ہے رزم و بزم و بذل و عدل ان کا مہہ ور زمین ہے ہندوستاں
ہم قراں موسم خزاں سے نہیں فصل گل سے قریں ہے ہندوستاں
یا ارم یا جناں ہے یا ہے بہشت خلد یا عین عیں ہے ہندوستاں
جہاں دیکھو وہاں ہے باغ و بہار پُرگُل و یاسمیں ہے ہندوستاں
کہتے ہیں کل زمین کے سیّاح کہ عجب گُل زمیں ہے ہندوستاں
مردم چشم حُسن ہیں ہندی خطِّ روی حسِین ہے ہندوستاں
ناز اس کا نہ کیوں نیاز اُٹھائے شاہد نازنیں ہے ہندوستاں
مے پرستی ہے دین و ایماں عشق اپنا ایماں و دیں ہے ہندوستاں
دشمن اس کے غمیں حزیں ہوں حسود کہ غمیں نے حزیں ہے ہندوستاں
مہروش زن مسیح دم ہیں مرد فلکِ چارمیں ہے ہندوستاں
تیرے نزدیک جو بہشت ہے وہ اے دلِ دوربیں ہے ہندوستاں
جنّتی ہے ضرور پیش نظر جس کو وقت پسیں ہے ہندوستاں
ہے جہاں خاتم سلیمانی اور اس کا نگیں ہے ہندوستاں
گر ہے شاہ جہاں تو کیا ہے اگر پاس اُس کے نہیں ہے ہندوستاں
تمتم استاد تھا فلاطوں کا کہیں یوناں مہیں ہے ہندوستاں
ہے صباحت بہم ملاحت سی نمکیں شیریں ہے ہندوستاں
دل عالم مکاں ہے اور اُس میں جوں سویدا مکیں ہے ہندوستاں
رخ خوب عروس دُنیا پر طرّهٔ عنبریں ہے ہندوستاں
پائے تمکیں کو دستِ بخشش کو دامن و آستیں ہے ہندوستاں
بام ہندوستاں ہے عرش بریں صحن عرش بریں ہے ہندوستاں
یہاں روح الامیں کے جلتے ہیں پَر نور حق کی زمیں ہے ہندوستاں
عین حق الیقیں کا ہے سرمد چشم عین الیقیں ہے ہندوستاں
چشم بددور شوخ چشم بھی ہے نہ فقط شرگیں ہے ہندوستاں
کہے جاؤں کہاں تلک بے صبر کہ چنان یا چنیں ہے ہندوستاں
حق ابد تک رکھے اسے آباد کہ ازل سے گزیں ہے ہندوستاں

حق اُسے سنگِ تفرقے سے بچائے کہ سبک آبگیں ہے ہندوستاں

نو بہار اس قصیدے کا ہے نام

کیوں کہ اُس کی زمیں ہے ہندوستاں

•••

مخمس در مناقب حضرت علیؑ

جو اذیت میں نے پائی یا میرے مشکل کشاؑ
سو تمھیں سب کہہ سنائی یا میرے مشکل کشاؑ
کیجیے حاجت روائی یا میرے مشکل کشاؑ
قیدِ غم سے دو رہائی یا میرے مشکل کشاؑ
کیجیے مشکل کشائی یا میرے مشکل کشاؑ

تنگ دستی سے میں اپنی جان سے آیا ہوں تنگ
روز و شب صبح و مسا ہے بختِ بد سے مجھ کو جنگ
کچھ مری آسودگی کا ہے نظر آتا نہ ڈھنگ
گلشن دُنیا میں دل بستہ ہوں میں غنچہ کے رنگ
کیجیے مشکل کشائی یا میرے مشکل کشاؑ

کیجیے کیا کیا گلہ اس بخت نافرجام کا
کیجیے کیا کیا شکایہہ گردش ایام کا
وا نہ ہوتا ہے کسی سے عقدہ میرے کام کا
آپ ہیں مشکل کشا پاس اپنے کر کر نام کا
کیجیے مشکل کشائی یا میرے مشکل کشاؑ

سدہ میری اب لیجے پر لیجے خدا کے واسطے
شام لیجے یا سحر لیجے خدا کے واسطے
عرض میری گوش کر لیجے خدا کے واسطے
جلد اب میری خبر لیجے خدا کے واسطے
کیجیے مشکل کشائی یا میرے مشکل کشاؑ

تنگ ہوں افلاس سے مجھ کو تو نگر کیجیے
لعل و گوہر سیم و زر مجھ کو میسّر کیجیے
ساقیِ کوثر نگاہِ مہر مجھ پر کیجیے
کیجیے بہر خدا بہر پیمبرؐ کیجیے
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

غم کو شادی سے مبدل کیجیے بہر خدا
رحم مجھ پر آج یا کل کیجیے بہر خدا
کیجیے گا آخر اوّل کیجیے بہر خدا
میری مشکل کو ابھی حل کیجیے بہر خدا
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

فکر کے دریا میں میری کشتیِ دل خوار ہے
ہے پھنسی گرداب میں نے پار ہے نے دار ہے
آپ کی ایک دم کے لیے درکار ہے
ایک توجہ میں تمہاری میرا بیڑا پار ہے
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

بدعمل ہوں میں میرے اعمال پر مت جایئے
خود کرم فرما ہو تم مجھ پر کرم فرمایئے
آرزو جو جو ہوں میرے دل کی سب بر لایئے
آپ خود واقف ہیں مت منہ سے میرے کہوایئے
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

میں گدا ہوں آپ کا اور آپ میرے بادشاہ
داد گر ہیں آپ اور میں آپ سے ہوں داد خواہ
رحم کی مجھ پر خدا کے واسطے کیجیے نگاہ
ہوں میں مظلوم زمانہ آپ کی لی ہے پناہ
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

دور قلاشی سے بیمار آپ کا بے صبر ہے
کچھ نہیں ہے چارہ ناچار آپ کا بے صبر ہے
زندگی سے اپنی بے زار آپ کا بے صبر ہے
سخت مشکل میں گرفتار آپ کا بے صبر ہے
کیجیے مشکل کشائیؑ یا میرے مشکل کشاؑ

•••

مسدس درمناقب حضرت مرتضیٰ علیؑ

اب نگاہِ مہر مجھ پر یاشہِؑ دوراں کرو
رفع میری فکر و تشویش و غم پنہاں کرو
جلد اب میری مدد تم یاشہِؑ مرداں کرو
لطف تم مجھ پر کرو اور مجھ پہ تم احساں کرو
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

لطف کا بھوکا ہوں یاشاہِؑ کرم گستر مدد
تشنۂ آبِ کرم ہوں ساقیِ کوثر مدد
ملتجی آیا ہوں در پر یاعلیؑ حیدر مدد
از برائے خاطر حسنینؑ میری کر مدد
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

ہے بنایا حق نے رکن اپنی خدائی کا تمھیں
بہر پابندانِ غم موجب رہائی کا تمھیں
پیش و پس کیوں ہے میری حاجت روائی کا تمھیں
حق نے بخشا ہے لقب مشکل کشائی کا تمھیں

گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

جلد میری داد کو پہونچو شہِ دلدل سوار
قتل دشمن کو میرے کیجے اُٹھا کر ذوالفقار
ہر گھڑی ہو کر تمہاری فضل کا اُمیدوار
عرض رکھتا ہوں یہ خدمت میں بچشمِ اشک بار
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

تم مددگارِ رسولاں ہو سدا سے یاعلیؑ
بحرِ لطف و کانِ احساں ہو سدا سے یاعلیؑ
داورِ گبر و مسلماں ہو سدا سے یاعلیؑ
غم گسارِ اہلِ ایماں ہو سدا سے یاعلیؑ
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

ایک حملہ میں اکھاڑا کوہ بربر آپ نے
اور اک انگلی سے اولٹا باب خیبر آپ نے
پھر نصیری کو جلایا قتل کرکے آپ نے
کیوں لگائی ہے کرم کی دیر مجھ پر آپ نے
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

سروِ گلزارِ ولایت آہوئے دشتِ یقین
لعلِ کانِ کوہ داد و گوہر دریائے دین
شیر میدانِ شجاعت اور نہنگ بحر کین
جوہر شمشیر نصرت یا امیرالمومنینؑ

گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

مجرئی میں ہوں تمہارا یا امیرالمومنینؑ
کیجیے میرا گذارا یا امیرالمومنینؑ
امن میں رکھیئے خدارا یا امیرالمومنینؑ
از غمِ قہر نصارا یا امیرالمومنینؑ
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

واسطے حسنینؑ کے یا زور بازوئے رسولؐ
بخشئے ان میرے نو بندوں کو تاثیرِ قبول
صدمہِ اعدا سے میں بے صبر ہوں از بس ملول
ہی یہ میری التجا مطلب ہوں سب میرے حصول
گوش دل سے گوش میرے نالہ و افغاں کرو
یاعلیؑ مشکل کشا مشکل مری آساں کرو

◆◆◆

مسدس درمناقبِ مرتضیٰ علیؑ

ہُزبرِ دشتِ شجاعت نہنگ بحرِ سخا
گلِ ریاضِ کرم سرو جوی بارِ وفا
شہِؑ سریرِولایت فقیر دلقِ رضا
زمینِ دین فلک داد یاعلیؑ مولا
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست

تمہارے وصف کا یارا کیسے جہان میں ہے
جہاں سے قطعِ نظر کس کو آسمان میں ہے
نہ خاص نطق میں طاقت ہے نے بیان میں ہے
حدیثِ لحمک و لحمی تمہاری شان میں ہے
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
اوجاڑ میں کسی تاجر کو ایک شریر ملا
اور اُس سے رو کے وہ باصد نیاز کہنے لگا
کہ چاکر اپنا تو رکھ لے مجھے برائے خدا
ضماں جو چاہا تو بتلایا تم کو اور یہ کہا
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
غرض کہ ایک شب اُس نے ہی تھا جو وہ چاکر
طمع سے ذر کے کیا قتل اُس کو ڈھب پاکر
یہ دیکھ کر زن تاجر نے شور و غوغا کر
کہا کہ شرطِ ضمانت ادا کرو آکر
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
وہ رو رہی تھی کہ ظاہر ہوئے وہاں اک بار
نقاب چہرے پہ نیزہ لیے سمند سوار
اُسے جلایا اور اُس کو گرایا نیزہ مار
وہ زن یہ دیکھ کے پڑھنے لگی پکار پکار
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست

اور ایک دن کا قصّہ کہ ایک روغن گر
ہوا جنابِ مقدس میں مستغیث آکر
کہ میرا تیل کہ میری معاش تھی اُس پر
گرا زمیں پہ ہے مجھ کو دلا دو یاحیدرؓ
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
یہ سُن کے واں گئے ساتھ اُس کے تھا جہاں وہ گرا
دیا نچوڑ نز انگشت سے زمیں کو دیا
وہ جیسے آپ نے کی حاجت ان سبوں کی روا
مراد میری بھی جو جو ہیں یاعلیؑ برلا
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
مجھے بخاطر حسنین شادماں رکھیو
سدا بدامن فضل و کرم نہاں رکھیو
عدو جو میرے ہوں ان سب کو سرگراں رکھیو
تو میرے حال پہ آقا کو مہرباں رکھیو
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست
نہ کیجیو مجھے محتاج اہل دُنیا کا
جو حاجتیں ہیں مری ان کو آپ کیجیو ادا
پناہ میں تری بے صبر ہو کے ہوں آیا
کلام کو میرے کر درجۂ قبول عطا
جز آستانِ توام درجہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں در حوالہ گاہی نیست

◆◆◆

بے صبؔر کی کچھ رباعیات ان کے رباعیات ''بے صبؔر بچار عنصر'' سے نقل کرتے ہیں۔ اس دیوان میں (۱۰۷) رباعیات ہیں۔

کوئی تیرے سوا نہ ہے نہ ہوگا
موجود نہ کچھ ہوا نہ ہے نہ ہوگا
ہے تو ہی ایک دوسرا کوئی نہیں
جز تیرے نہ کوئی تھا نہ ہے نہ ہوگا

◆◆◆

کعبے میں گئے تو خالی وہ گھر پایا
پایا بت خانے تو پتھر پایا
جو کچھ کھویا سو کھویا باہر بے صبؔر
جو کچھ پایا سو اپنے اندر پایا

◆◆◆

وہ میؔر کہ گر نہ وہ جہاں میں ہوتا
اعجازِ فصاحت نہ بیاں میں ہوتا
قرآن اگر اُردو میں ہوتا نازل
تو حضرت میؔر کی زباں میں ہوتا

◆◆◆

تو ایسا ہی ابتدا سے تھا اے اُردو
کیا اپنے کو تو بھول گیا اے اُردو
جو کر گیا اُردوئے معلّیٰ تجھ کو
دے میؔر کی جاں کو دعا اے اُردو

◆◆◆

جب موج میں دریائے حقیقت آیا
وحدت سے سوئے نشیبِ کثرت آیا

بے چون و چرا ہی سے ہوا چون و چرا
معنی بہ لباسِ لفظ صورت آیا

◆◆◆

اے وائے کہ ہیں ایک ہم اور کام بہت
در پیش ہے راہ عدم اور کام بہت
رہنا ہے یہاں دم کے دم اور کام بہت
افسوس ہے زندگی کم اور کام بہت

◆◆◆

اک آن کی نوجوانی پر اتنا گھمنڈ
دو روز کی حکم رانی پر اتنا گھمنڈ
اس نقش پہ جو ہے پانی پر اتنا گھمنڈ
اس تھوڑی سی زندگانی پر اتنا گھمنڈ

◆◆◆

میم و عین اور نون و یا عنصر چار
مل کر ہوا جسم لفظِ معنی اے یار
ہے معنی ہی جسم لفظِ معنی کی روح
صورت کے بغیر ہو نہ معنی زنہار

◆◆◆

دل خواہ بتوں سے مت مل اے دل مت مل
گمراہ بتوں سے مت مل اے دل مت مل
باز آ اے بندۂ خدا بت ہیں بُرے
للہ بتوں سے مت مل اے دل مت مل (تکرار، مت، دل، مل)

◆◆◆

عاشق تو سو ہیں لیک عاشق نہیں ایک
فاسق تو ہزار ہیں پہ صادق نہیں ایک

ہیں قیس سے لاکھ پر نہیں کوئی مجنوں
وامق سے کڑور ہیں پہ وامق نہیں ایک (صنعت اعداد)

◆◆◆

میں نے کہا اُس سے ایک دن رشکِ چمن
کیوں کہتے ہیں باغِ حسن تجھ کو ہمہ تن
دکھلا کے کہا رخ و دہن زلف و بدن
یہ گُل ہے یہ غنچہ ہے یہ سنبل یہ سمن (صنعت لف ونشر مرتب)

◆◆◆

اے یار یہاں نہیں کسی کا کوئی
غم خوار یہاں نہیں کسی کا کوئی
بے صبرؔ سب اپنے اپنے مطلب کے ہیں یہاں
زنہار یہاں نہیں کسی کا کوئی

◆◆◆

لا ساقیا آبِ زندگانی بھر کے
شیشے میں شراب ارغوانی بھر کے
آیا ہے برس بھر میں یہ نو روز کا روز
دے مجھ کو شرابِ کہنہ جانی بھر کے

◆◆◆

بے صبرؔ نے قطعات، تاریخی قطعات اور تضمینی قطعات بھی دلکش لکھے ہیں ہم یہاں چند تضمینی قطعات رقم کرتے ہیں۔

(تضمین سعدیؔ کے مصرعے پر)

کہا میں نے لبِ لعل کیا بُرے تھے ترے
کئے مِسّی سے جو تو نے سیاہ باعث زیست
تو آپ کہنے لگے کیا سُنا نہیں بے صبرؔ
''کہ آب چشمۂ حیواں درونِ تاریکست''

(تضمین میؔر کے معرعے پر)

گہہ نہیں گاہ نہیں ماہ نہیں سال نہیں
دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں
تھا نہیں ہے نہیں ہوگا نہیں بے صبؔر کہیے
''وقت ملنے کا مگر داخل ایّام نہیں''

(تضمین کسی نامعلوم مصرعے پر)

بزم میں، میں نے جو اس سے کیا بوسے کا سوال
تو وہ فرمانے لگے کرکے مری بات کو رد
بات بھی کہنے کا بے صبؔر نہیں تجھ کو شعور
''ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مکانی دارد''

◆◆◆

قطعہ

تھے خفا مجھ سے کل اور غیر سے کہتے تھے کہ کاش
باغ ہو ہم ہوں مے و نغمہ ہو اور ابر بھی ہو
ہنس پڑے چیں بہ جبیں ہو کے جو میں بول اٹھا
واہ جی واہ پھر ایسے میں تو بے صبؔر بھی ہو

◆◆◆

(قطعہ تاریخ وفات ذوقؔ دہلوی)

جب گئے جنّت کو ابراہیم ذوقؔ
رہ گیا مشہور ان کا نامِ نیک
سالِ رحلت ان کا اے بے صبؔر کہہ
تھے ہزار و دو صد و ہفتاد و ایک

(۱۲۷۱ہجری)

◆◆◆

ہم یہاں یہ بھی بتانا چاہتے ہیں کہ بےصبؔر تاریخ گوئی میں مہارت رکھتے تھے چنانچہ ان کے دیوان اور مثنویوں میں عمدہ تاریخی قطعات نظر آتے ہیں۔

ہم یہاں نمونے کے طور پر دروازے قلعہ کی دو تاریخوں کو پیش کرتے ہیں۔ پہلے قطعے میں ہر مصرعے کے پہلے حرف کو جمع کرنے سے تاریخ (١٨٥٦ء) نکلتی ہے۔

٦ واسطے تعمیر دروازے کی گرچہ پیشتر ٨ حکم کرنیل الکز (Alex) صاحب بہادر کا بھی تھا
٣٠ لیک بے پروائی کے باعث سے یہی کارِ بلند ٣ جا کر انِ پست ہمّت سے نہ ان کے ہوسکا
٤٠ ملکِ باقی کی طرف جب لے گئے تشریف وہ ٧٠ عہد اب جمس الکز (Alex) صاحب بہادر کا ہوا
٢٠ کارداں و کارفرما ہیں یہ صاحب بےنظیر ٦٠٠ خوش معاش و خوش خیال و خوش مزاج و خوش نما
٦٠٠ خود بدولت نے یہ جب چاہا کہ دروازہ بنے ٣ جاں نثارانِ ریاست کو اشارہ کردیا
٢٠ کھل گیا دروازۂ گنج اور ہوئے معروف وہ ٦٠ سعی و کوشش میں دیا جان و دل اپنے کو لگا
٢٠٠ تابعِ فرمان آقا ہو کے تھوڑے روز میں ٢ بےنظیر و عمدہ ایک عالی عمارت لے اٹھا
٦٠٠ خوش ہوئے کپتان صاحب ان سے اور بخشا صلا ٦٠ ساتھ دروازے کے ان کا مرتبہ بالا کیا
٤٠ میں بھی تھا معروف مدح صاحب والا تبار ٤٠٠ تہنیت نامہ بہ تعمیرِ درِ دولت لکھا
٦٠ سال تاریخ اس کے اوّل حرف ہر مصرع سے بھی ٥٠ نکلے ہے توشح کی رو سے اگر لیجے ملا
٤٠ مجھ سے ہاتف نے کہا بےصبؔر سالِ عیسوی ٦٠٠ خوب صورت ہے یہ نو دروازۂ سنگیں بنا
١٨٥٦ء ١٨٥٦ء

◆◆◆

جب بنا جمس الکز صاحب نے دروازہ کیا — ہو کے اہل تماشا اس کے اسلوبی پہ غش
حبذا ہے کیا وسیع و کیا متین و کیا رفیع — وضع خوش انداز خوش نقشہ ہے خوش تعمیر خوش
حضرت عیسیٰ نے اے بےصبؔر دی مجھ کو ندا — یاد ہیں سال ہزار و ہشت صد پنجاہ و شش

١٨٥٦ء

◆◆◆

ہمیں تلاش کے باوجود فارسی دیوان یا اُس کے آثار کہیں نہیں ملے البتہ دو فارسی کی غزلیں ان کی مثنوی ''لخت جگر'' اور کچھ قطعات رسالہ ''بدیع البدایع'' اور قصیدوں میں ملے چناں چہ نمونے کے طور پر ہم ان اشعار کو یہاں لکھتے ہیں جس سے بےصبرؔ کی فارسی پر مہارت ظاہر ہوتی ہے۔

رسالہ ''بدیع البدایع'' مطبوعہ ۱۸۷۰ء میں قطعہ تعمیہ فارسی میں ملتا ہے۔

پیٔ تاریخ ختم این رسالہ — بسال عیسوی دل در شمار است
بگویم از سر بہجت کہ بےصبرؔ — بنام ایزد عجب باغ و بہار است

قطعہ ولادت چوتھے بیٹے بنی سروپ ۱۲۷۰ ہجری

فرزند چارمی چو نمن داد کردگار
ہر دم ز دیدنش دل من شادی شود
بےصبرؔ چوں بظاہری و معنوں محیت
سال ہزار و دو صد و ہفتاد می شود

مثلث:-

در قتل ما چہ شوخ خود آرا بہانہ ساخت
مارا بغمزہ کشت و قضا را بہانہ ساخت
خود سوے ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

مسدس در مناقب مرتضیٰ علیؑ

ہُزبرِ دشتِ شجاعت نہنگِ بحرِ سخا
گُلِ ریاضِ کرم سرو جوی بارِ وفا
شہِؑ سریرِ ولایت فقیر دلقِ رضا
زمینِ دینِ فلک داد یا علیؑ مولا
جز آستانِ توام در جہاں پناہی نیست
سرم را بجز ایں درحوالہ گاہی نیست

◆◆◆

بےصبرؔ نے اساتذہ شعرأ کی غزلوں پر مخمس لکھے ہیں۔ بےصبرؔ فارسی اُردو اور بھاکا کے عمدہ شاعر تھے۔ یہاں بطور تذکرہ ہم حافظؔ، سعدیؔ، تفتہؔ اور رندؔ کی غزلوں پر مخمس کے بند پیش کرتے ہیں۔

(برغزل حافظؔ)

خوشم کہ ہمدمم آن غیرتِ چمن باشد
بمن چو رنگ بگُل بو بہ نسترن باشد
چوتن بہ پیرہن و ہمچوجاں بہ تن باشد
''خوش است خلوت اگر یار یار من باشد
نہ من بسو زم داد شمعؔ انجمن باشد''

(برغزل سعدیؔ)

اکنون چہ کنم گر نکم آہ و فغانی
جویم بکجا وزکہ پرسمش نشانی
خوانم زکہ داد وبکہ گویم کہ بہ آنی
''بربود دلم وز پۓ سرو روانی
زریں کمری سیم بری موی میانی''

(**ترجمہ:** اب اگر آہ و بکا نہ کروں تو کیا کروں، کہاں ڈھونڈوں اور کس سے پتہ پوچھوں، کس سے فریاد کروں اور کس سے کہوں کہ ابھی میرے دل میں وہ سُرو بلند قد تھا جس کی باریک کمر گورا سینہ اور جوسنہرا پٹہ بندھا ہوا تھا)

(برغزل تفتہؔ سکندر آبادی)

نہیں یہ پوچھتا کوئی کہ تجھ کو کیا ہوا یارے
کہیں کیا داور اور منصف سے یاں کے ڈر گئے سارے
کہ ناحق بے گنا ہی مجرم جاتا ہے مجھے مارے
نگارے بے وفائے جنگ جوئے ترکِ خوں خوارے
بہ شمشیرِ نگاہِ خویش قتلِ عام فرمائے''

◆◆◆

(برغزل جرأت)

مدت سے شبِ وصل کے ہونے کی خبر تھی
ہر شام سے تا صبح نظر جانب در تھی
سو آج وہ شب رشکِ شب قدر مگر تھی
لیکن نہیں معلوم گھڑی تھی کہ پہر تھی
''کچھ ہم تو نہ سمجھے کہ شبِ وصل کدھر تھی
ٹک زلف سے رخ پر جو نظر کی تو سحر تھی''

◆◆◆

ے کوئی اے یارو نہ اتنا جا کے کہتا ہے اُسے
تنگ ہے حالت تمہارے مبتلا کی ان دنوں

◆◆◆

ے کیوں نہ اے بےصبرؔ غالبؔ ہو سخن سب پر مرا
اس کو ہے اصلاحِ غالبؔ مرزا کی ان دنوں

◆◆◆

ے شگفتہ خوش زمیں ہے یہ بہ فیض حضرت غالبؔ
غزل بےصبرؔ کر ایک اور بھی تحریر سینے میں

◆◆◆

ے التفاتِ حضرت غالبؔ سے اے بےصبرؔ اب
مجکو حاصل شیوہِ شیوا زبانی ہوگیا

◆◆◆

* بےصبرؔ کے کلام پر جابہ جا حافظؔ کے کلام کی چھاپ نظر آتی ہے۔ خود بےصبرؔ کہتے ہیں ے
کلام کیوں نہ ہو بےصبرؔ میرا مستانہ
کہ جام ہی خم حافظؔ سے میں نے نوش کیا

◆◆◆

* بےصبؔر نے مصحفیؔ، میرؔ،سوداؔ، جراتؔ، آتشؔ، ذوقؔ کی غزلوں پر بھی غالبؔ کی غزلوں کے ساتھ غزل بر غزل یا انہی بحروں قوافی اور ردیفوں میں شعر سرودے ہیں۔ ذوقؔ کی غزل کے مطلع۔

ہے قفس سے شور اک گلشن تلک فریاد کا
خوب طوطی بولتا ہے ان دنوں صیاد کا

پر غزل کہی اور مقطع میں اعتراف کرتے ہیں۔

بے مزہ کیوں ہو کلام اپنا کہ ہوں بے صبؔر میں
ریزہ چینِ خوانِ نعمت ذوقؔ سے استاد کا

* تعلّی۔ تیرا ہر شعر ہے الماس کا ٹکڑا بے صبؔر
جس نے سو کر دئے حاسد کے جگر کے ٹکڑے
کر دیا ریختہ کو حضرت بے صبؔر نے غزل
طوطی ہند تھے تم بلبل آمل نکلے

◆◆◆

بےصبؔر کے غیر مطبوعہ دیوان سے ''مثمن در وصف بسنت'' سے کچھ اشعار یہاں درج کرتے ہیں۔

نیّر اعظم ہوا دلوں میں رونق فزا
آیا بسنت اور ہوئی معتدل اچھی ہوا
پھول کے سرسوں کا کھیت تختۂ زریں ہوا
ہاتھ پر اپنے بسنت سرسوں جمانے لگا
نکلے جوانان باغ سج کے بسنتی قبا
پھولی کہیں زعفران اور کہیں چمپا کھلا
جانوروں کا ہے شور برسرِ ہر شاخسار
آئی ہے کس دھوم سے فصل بہار اب کے سال

◆◆◆

چاروں طرف ہند میں ہولی کی ہے دھوم دھام
بجتی ہے دف چار سو روز و شب و صبح و شام
چمپئی پہنے لباس پھرتا ہے عالم تمام
شیشۂ مئے بَر میں ہے ہاتھ میں لبریز جام
مست ہیں مد ہوش ہیں پیر و جواں خاص و عام
راگ ہے ہر ایک جا رقص ہے ہر ایک مقام
کھیلتے ہولی ہیں جب ہوتی ہے کیا ہی بہار
رنگ کی فوارّی سب چھوٹتے ہیں ایک بار
چلتی ہیں پچکاریاں چاروں طرف بے شمار
رنگ کے چھینٹوں کا پھر کرتی ہیں آپس میں وار
جائیے ہٹ کر جدھر رنگ کی ہے مار مار
ایک کو اک حوض میں رنگ کے دیتا ہے ڈال

◆◆◆

* بے صبرؔ عشقیہ شعر کہنے میں منفرد لہجہ اور اسلوب رکھتے ہیں۔ہم یہاں کچھ اشعار ''برسات کے مستانہ ترانے'' سے سناتے ہیں ؎

گھٹا ہو رعد ہو بجلی ہو تاریکی ہو باراں ہو
ہوا ہو ٹھنڈی ٹھنڈی سرد و سبز و تر بیاباں ہو
چہکتے ہوں طیورِ خوش نوا طاؤس رقصاں ہو
برنگ غنچۂ گل اور صحنِ گلستاں ہو
سجے ہوں کمرے روشن شمع داں ہوں عود سوزاں ہو
پلنگ اک سونے کا اور مسند زر تار کی واں ہو
گزک ہو جام ہو مینا ہو رقصاں خوش الحاں ہو
اور اپنے بر میں وہ غارت گرِ دل آفتِ جاں ہو
تو پھر میں بھی کہوں اے ابر تر دن رات برسا کر

◆◆◆

بغل میں اپنے دلبر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
پیاپے دورِ ساغر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
وہ کافر زیبِ بستر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
ہمارے بخت یاور ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
کنارو بوس شب بھر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
مرادِ دل میسّر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
ملاقات آج ہو پر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
اگر یوں ہو تو بہتر ہو اگر یوں ہو تو بہتر ہو
یہ سب سامان تو میرے لیے یارب مہیّا کر

◆◆◆

سراپا

ہم یہاں قصیدہ ''سراپا ناز'' جو سو اشعار پر مشتمل ہے نمونے کے طور پر صرف چند شعر کا انتخاب پیش کرتے ہیں۔

(قد) قد کو اس کے کہیے گر مصرع تو پھر اس کے لیے
مصرعِ ثانی ہو درکار اور وہ لاثانی بنا

(مانگ) مانگ سیدھی درمیانِ موِی سر ہے اس طرح
سر زمینِ ہند پر جیسا کہ خطِ استوا

(زلف) اس کی زلفِ عنبریں کو گر کہوں مشکِ ختن
نکتہ چینوں کے ہے نزدیک اپنے سرتا پا خطا

(رخ) یوں رخِ پُر تاب ہے مابینِ زلفین سیاہ
ایک من کے گرد ہوں جس طرح سے دو اژدھا
درمیاں دو شب براتوں کے ہے یا ایک روز عید
یا سوادِ زنگ و ہندوستاں میں خطّہ روم کا

(پشت) پشت اس کی سی نہیں روئے زمیں پر دوسری
چہرۂ مقصود کو آئینہ آسا رونما

(ابرو) ابروے خم دار ہے تیغِ جلال ذوالجلال
چلتی ہے جس کے اشاروں میں سدا تیغ قضا

(مژگان) تیرِ مژگاں ہیں دراز و تیز و خوں ریز اس قدر
نشترِ فولاد کی رگ سے جو دیویں خوں بہا

(آنکھ) چشم ہے یہ یا کہ بختِ خفتۂ مجنوں ہے یہ
مردمک ہے یا سیہ خیمہ میں ہے لیلیٰ کی جا
خواب میں صوفی گر اُس کو دیکھ لے تو صبح دم
مست پائے آپ کو میخانے کے اندر پڑا

(دہن) منہ کہاں میرا کہاں وصفِ دہانِ تنگِ دوست
کھول دے بھید اس کا یا فتاح یا مشکل کشاؑ

(رخسار) نازک و نرم و مصفیٰ و مجلّی دونوں گال
ایک ہے بدرالدجیٰ اور دوسرا شمس الضحا
گال کے ہوتے ہیں اکیاون عدد خود شکل آہ
آہ کیوں نکلے نہ دل سے دیکھ کر ان کو بھلا

(ذقن) گوری گوری وہ ذقن اور کالا کالا اس پہ خال
خوش نما ہے خوش نما ہے خوش نما ہے خوش نما
مرغِ زریں کا مگس سیتی ہے انڈا یا کہوں
یا ذقن دل ہے سویدا خال شخصِ حسن کا
سیب گلزارِ صباحت ہے ذقن اور اُس پہ خال
نقش ہے بوسے کا جو اس پر ملاحت نے دیا

چاہِ غبغب چاہِ بابل ہے کہ اس میں جس کا دل
گر گیا نکلا نہ پھر ایسا گیا تحت السرا
(گلواور گردن) گر گلا دیکھو تو جی چاہے لگا لیجے گلے
دیکھیے گردن تو دیجے فکر میں گردن جھکا
(بازواور ساعد) بازوں سے ساعد اور ساعد سے پہنچا ہے زیاد
پروجاہت پر لطافت پر نزاکت پر صفا
(پنجہ) پنجۂ مرجاں کہو تو سخت بے جا ہے یہ بات
اور شفق میں پنجۂ خورشید کہنا ہے بجا
(انگشت) ہے شفق سے لعل در آتش مہِ نو دیکھ کر
وہ حنائے ناخنِ انگشت دست دل رہا
(پستان) گورے گورے سخت سخت اور ابھرے ابھرے گول گول
چھاتیاں وہ پیاری پیاری ہیں نہایت خوش نما
جس قدر مینائے گردوں میں شرابِ حسن تھی
اُس کو ساقی نے پلا کر جام کو الٹا رکھا
کاٹتی ہے اپنے لب نارنگی ان کو دیکھ کر
اور انار ان کے لیے ہے دانت اپنے پیتا
سینہ و پستاں پہ جب آکر پڑی زلفِ دراز
ہے یہی میداں یہی چوگاں یہی گو مدعا
(کمر) لفظ تن میں اس کے اک حرف مشرو ہے کمر
جس کو کہتے تو سنا ہے پر نہ دیکھا نہ لکھا
(ران فرج) درمیانِ ہر دو ران پر مضا وہ عضو خاص
دو بہم تلوار ہیں یا زخم ہے تلوار کا

یا وہ ہے قفلِ طلسم گنجِ عشرت کی کلید
دو ستونِ عاج میں یا در ہے محرابی بنا
نقشِ سم آہوے چین است بر برگِ سمن
خوب یہ مضموں کسی استاد کا ہے مرحبا

(ساق) ساق سمیں ہیں دو مکدر حسن و خوبی کے تراش
جن کی دوشِ مرد میداں تصور پر ہے جا

(ناخن پا) ہر برس بارہ مہینے ہیں وہ ہے بارہ ہلال
دونو اس کے ابرو اور دس ناخن انگشت پا

(مجمل اعضا) زلف و رخ قد و دہن چشم و بدن سے ہر طرف
سنبل و گل سر و غنچہ نرگس و نسرین کھلا
سینہ و لب اور ذقن ہیں سیب و عناب و انار
ہے جوانی کی بہار اور باغ ہے پھولا پھلا

(خندہ تبسم) وہ رموز و رمز و ایما وہ ہنسی وہ شوخیاں
وہ تبسم و تکلّم و حجاب اور وہ حیا

(آواز) نادر آواز و عجایب ناز و انداز اور آن
عمدہ عشوہ طرفہ غمزہ خوش کرشمہ خوب ادا
وہ وجاہت و ہ صباحت وہ ملاحت وہ تمیز
وہ فصاحت وہ بلاعت وہ فراست وہ وفا

(دعا) یاالٰہی جب تلک نسبت ہے حسن و عشق کو
حسن اس کا ہو فزوں اور عشق میرا ہو سوا
اس قصیدے کا سراپا ناز ہے بے صبرؔ نام
کیوں کہ ہے وصفِ سراپا اس سراپا ناز کا

◆◆◆

بے صبؔر ایک عمدہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے ہنر منداور صنعت گر تھے ان کے رسالے ''بدیع البدایع'' سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم صنائع اور بدائع پر مہارت خاص رکھتے تھے۔ اُردو شاعری میں کئی شعرا اور بخصوص مشاہیر شعرا نے صنعت مہملہ، صنعت معطل یا بے نقط میں طبع آزمائی کی ہے جن میں مرزا دبیؔر، انشا اللہ خان انشؔا، انیؔس وغیرہ سرفہرست ہیں ہم یہاں بال مکند بے صبؔر کا ایک غیر مطبوعہ بیس اشعار کا قصیدہ پیش کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے صبؔر کو اس صنعت پر کتنا عبور تھا کہ مصرعوں میں نرمی سلاست اور روانی موجود ہے۔

مالکِ مُلکِ کرم سالکِ راہِ ولا
محرمِ اسرارِ کُل سرورِ اہلِ عطا

حاکمِ احکام عدل داد دہِ رسمِ داد
عالمِ علمِ اصول ہالکِ حرص و ہوا

مصدرِ اطوارِ سُور موردِ الہام طُور
رہرو راہِ رسولؐ ماہرِ سّرِ سما

عاملِ کارِ محال گردد دلاور کمال
آگہہ احوالِ دہر ہر سحر و ہر مسا

داد گر ماہ رُو مہر عطارد علوم
موکم و لالہ رُو سروِ سراسر ادا

گوہر سلکِ کرم کوہ محامد کا لعل
مرہم دردِ سوال دردِ الم کو دوا

ہم دم اہلِ معاد والدِ اہلِ صلاح
سالکِ راہ سلوک راحم حال گدا

ہو اسد آسا اگر حملۂ ادہم سوار
اور ہو سر سدِّ راہ گر ہو عدو سام سا

صلح کل و کم طمع اصل کا والا گہر
عہد کا محکم کمال معرکہ آرا سدا

کام روا دہر کا عدل ہو اُس کا اگر
گرگ اور آہو ملا صعوہ و کوا ملا

اُس کا اگر رحم ہو کام ہو دل کا حصول
اس کا کرم ہو اگر ہو گرہِ کار وا

موسم گل کا ہوا دور ادھر اور اُدھر
سرو ہوا لو ہرا لالہ اگا گل کھِلا

اُس کا علم دار طوس سام مدار المہام
سرور کاوس کوس دارب دارالوا

عام کا مردود ہو آہ عدو اس کا ہو
مالک اگر مصر کا روس کا اور روم کا

گہر ہو عدد کا ہلاک لاکھ دلاور ہو وہ
معرکہ آرا اگر اس کا دو دہارا ہوا

حاکم حکام کہ داد گر عام کہ
اوّل ارسطو ہوا اور وہ ہوا دوسرا

ہر دم و ہموارہ و ہر سحر و ہرمسا
اس کا ہو مداح اور اس کو دلا کر دعا

دور ہو مُل کا سدا اور سرود و صدا
اس کو حصولِ مرام دل کا ہو اور مدعا

داد و دوا دو کرو دام و درم ملک و مال
علم و عمل رحم و مہر اُس کو ہو ہر دم سوا

سارا کلام اس طرح کہے معطل مگر
آہ کہ مصّر الگ اسم ہمارا رہا

◆◆◆

مثنوی ''لختِ جگر'' میں یہ دو فارسی کی غزلیں نظر آتی ہیں۔

غزل

جاناں دہدم شراب و نوشم　　ایں کُفر بدیں نے فردشم
بر ساقی و بادہ باد قرباں　　نقدِ و دل و دین و صبر و ہوشم
دستِ من و دوشِ عیش کافروز　　دستِ صنم است زیبِ دوشم
از نغمۂ زبان مباد خاموش　　گوی دیدم از کسے خموشم
یارِ مے و مطرب است بے صبؔر
باید کہ بجز نشاط گوشم

◆◆◆

غزل

چشم تو نہ پُرنم از الم باد
بردامنِ دل نہ گرد غم باد
تیغِ غضبِ خدا بمیداں
بہر سرِ دشمنت علم باد
جاے کہ درختِ فتنۂ روید
از تیغِ جفاے تو قلم باد
جامت زمئے جہاں ستانی
در دستِ تو رشکِ جامِ خم باد
قدِ ہمہ سرکشانِ بے مہر
پیشِ تو چو ماہِ عید خُم باد
بے صبؔر نصیبِ تو دریں بزم
جام ومئے و مطرب وصنم باد

◆◆◆

تعلّی

ہم زبانی کا ہے میری کس کو اب دعویٰ بھلا
ہر سرِ مو ہے زباں، وقتِ سخن گویا مِرا
عرش پر عنقائے معنی کو میں کرتا ہوں شکار
خون کا قطرہ ہے دانہ دام ہے فکرِ رسا
فکر کے ناقے کا دشتِ نظم میں ہوں ساربان
طبع کی کشتی کا دریائے سخن میں ناخدا
طوطیٔ تصویر کا گر وصفِ گویائی کروں
ہو وہ جاندار اور زباں سے اس کے نکلے مرحبا
آتے ہیں سو مرغِ معنی میری دامِ فکر میں
باندھتا ہوں ایک کو اور سب کو کرتا ہوں رہا
رودکیِ ہند تھا سوؔدا میں ہوں عرفیؔ عہد
ابتدا اس سے قصیدے کی ہے مجھ پر انتہا
آسمان شاعری کا نیّرِاعظم ہوں میں
ہو ہلالِ ناخن اپنا بدر کا عقدہ کشا
بس بس اے بے صبرؔ کر قصّے کو اپنے مختصر
کب تلک بے ہودہ یہ لاف و گزاف اے خودستا
اپنے منہ سے وصف اپنا ہے نہ زیبا بلکہ عیب
وصف اس کو کہتے ہیں پیچھے کہے جو دوسرا

❑❑❑

کتابیات

رسالہ ''بدیع البدایع''	منشی بال مکند بے صبر	مطبوعہ ۱۸۷۰ء
''گلستانِ ہند''	منشی بال مکند بے صبر	غیر مطبوعہ (مخطوطہ مملوکہ تقی عابدی، ٹورنٹو لائبریری)
مثنوی ''اخگرِ عشق''	منشی بال مکند بے صبر	مطبوعہ/ نایاب/مملوکہ مختار الدین)
مثنوی ''لختِ جگر''	منشی بال مکند بے صبر	مطبوعہ خورشید جہاں تاب سہارن پور
''دیوانِ بے صبر''	منشی بال مکند بے صبر	غیر مطبوعہ (مملوکہ تقی عابدی، ٹورنٹو لائبریری)
غالب کا ایک مشاق شاگرد	کالی داس گپتا رضا	(مطبوعہ ساکار پبلشرز، ممبئی)
تلامذہ غالب	مالک رام	مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۹۲ء
''خم خانۂ جاوید''	لالہ سری رام	مطبوعہ ۱۳۳۰ ہجری

❑❑❑

رسالہ

مسمّیٰ بہ

بدیع البدایع

علم صنایع بدایع مین بزبان اردو
واسطے طلاب مدارس و شایقان سخن کے

من تصنیف شاعر باکمال سخنور شیرین مقال مقبول بارگاہ ذو الجلال
جناب منشی بالمکند صاحب بےصبر سکندرآبادی

حسب منشاء اشتہار

نواب معلی القاب لفٹنٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی
کشور ہندوستان دام اقبالہ

نمبر ۹۱۹ الف مورخہ ۲۰ اگست سنہ ۱۸۶۸ء مندرجہ گورنمنٹ گزٹ ۲۲ اگست
سنہ ۱۸۶۸ء جو بذریعہ رزلیوشن نمبر ۲۱۷۱ الف ۱۴ مئی سنہ ۱۸۶۸ء کے مشتہر ہوا

مصنفہ سنہ ۱۸۶۸ء

مطبع دبیر ہند بلندشہر مین طبع ہوا

۱۱۰۰ جلد

THE LIBRARY OF DR. SYED TAGHI ABEDI
2002 A.D 1422 AL.HIJ

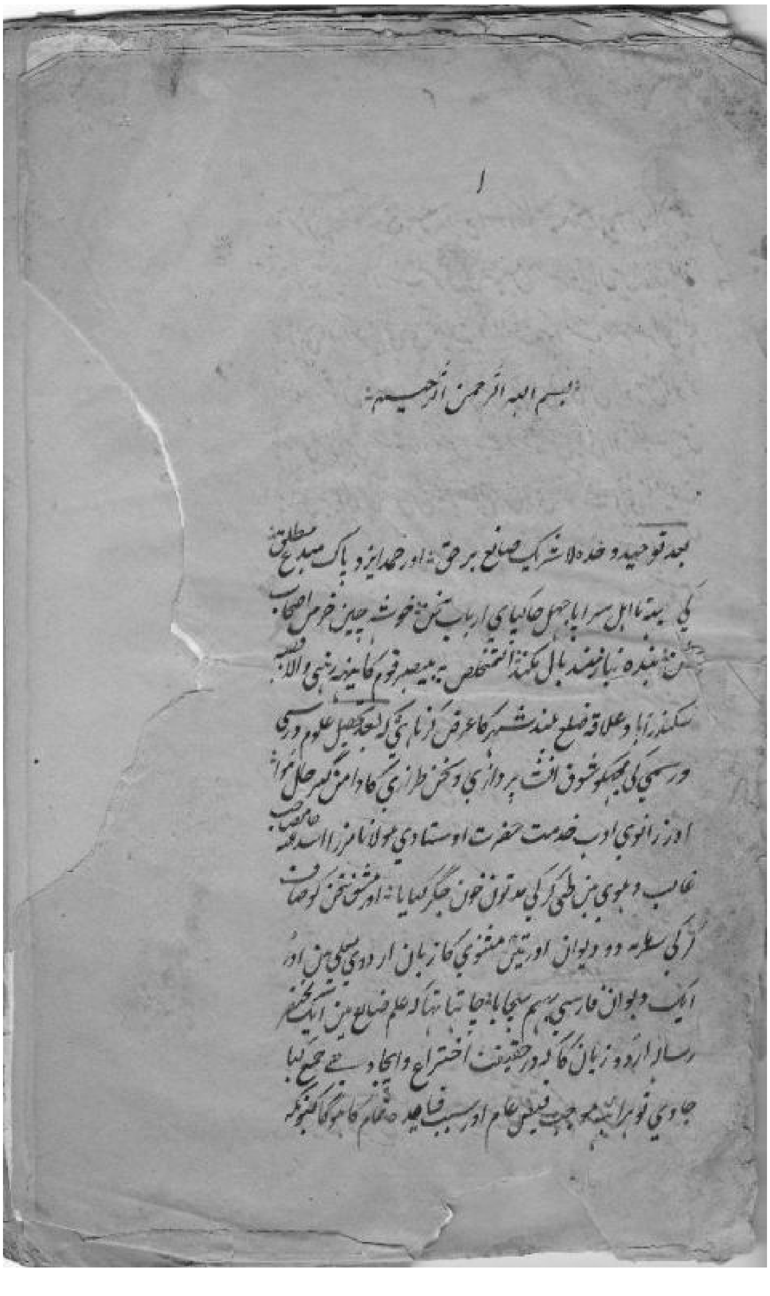
بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد توحید وحدہ لاشریک صانع برحق :: اور حمد ایزد پاک صانع مطلق
کی بندہ ناہل سراپا جہل خاکپای ارباب سخن :: خوشہ چین خرمن اصحاب
فن منشی نبیرہ بال مکند المتخلص بہ بیصبر قوم کائستھ [illegible]
سکندرآباد علاقہ ضلع بلندشہر کا عرض کرتا ہی کہ بعد تحصیل علوم
درسی کی مجھکو شوق انشاپردازی و سخن طرازی کا دامنگیر حال ہوا
اور زانوی ادب خدمت حضرت اوستادی مولانا مرزا اسد اللہ خان صاحب
غالب دہلوی میں طی کرکی مدتوں خون جگر کھایا :: اور مشق سخن کو صاف
کرکی سلسلہ دو دیوان اور تین مثنوی کا زبان اردو میں اور
ایک دیوان فارسی بہم پہنچایا تھا ناگاہ علم صنایع میں ایک مختصر
رسالہ اردو زبان کا کہ درحقیقت اختراع و ایجاد سے جمع کیا
جاوی تو براہ [illegible] موجب فیض عام اور سبب فایدہ خاص و عام کا ہوگا کیونکہ

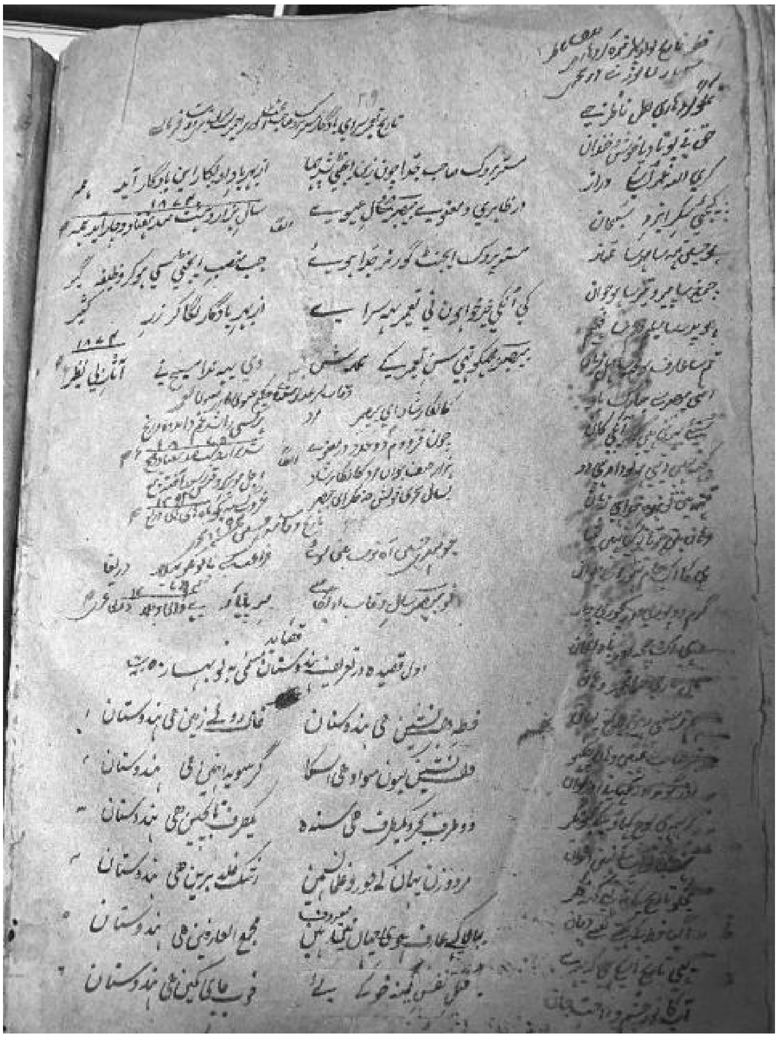

ا

ب

کتاب گلستان ہند

LIBRARY OF DR. SYED TAQI ABEDI
2002 A.D. 1422 AL.HIJ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

توحید مجید اوسکا حق ہی جو واحد برحق اور ذات مطلق ہی
قایم بالذات ہی خود ذات اور عین صفات ہی وحدہ
لا شریک ہی دور سی دور نزدیک سی نزدیک ہی بیچون
اور بیچگون ہی بیرون اور درون ہی کل کا حاوی ہی ہر جگہ
مساوی ہی جہان دیکھو وہین ہی وہ جگہہ نہین جہان نہیں ہے
واجب الوجود ہی سب جگہ موجود ہے بی ابتدا اور
بی انتہا ہی بی نظیر اور بی ہمتا ہی جب کچھہ نہ تہا وہ تہا وجب
کچھہ نہوگا وہ ہوگا قدوس ہی غیر محسوس ہی خالص نور اور
محض سرور ہی اوسی نور کا سب ظہور ہی عالم الغیب ہی